ان احق ما اخذ تم علیه اجرا کتاب الله (بخاری ۵۷۳۷)

دینی امور پر اُجرت کا جواز

تحریر

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

شائع کردہ

مکتبہ دارالرحمانیہ جامع مسجد رحمانیہ

نزد بوہرہ پیر کراچی

ان احق ما اخذ تم علیه اجرا کتاب الله (بخاری ۵۷۳۷)

دینی امور پر اجرت کا جواز

تحریر

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

شائع کردہ

مکتبہ دار الرحمانیہ جامع مسجد رحمانیہ

نزد بوہرہ پیر کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

ادارہ ''دارالرحمانیہ'' کے قیام کا مقصد صرف قرآن وحدیث کی اشاعت ہے عذاب قبر کے منکرین (جنہیں عثمانی و برزخی فرقہ بھی کہا جاتا ہے) دینی امور پر اجرت کے جواز کا شدت سے انکار کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ دینی امور اور قرآن وحدیث کی تعلیم پر اجرت ناجائز اور حرام ہے نیز ایسے امام کی اقتداء میں نماز نہیں ہوسکتی جو امامت پر تنخواہ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ جناب الشیخ مفتی ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ تعالیٰ کو کہ انہوں نے اس مسئلہ پر ایک علمی وتحقیقی مضمون تحریر فرمایا موصوف نے عذاب قبر کے سلسلے میں بھی بہت سی کتب تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں عذابِ قبر کے منکرین کے ہر اعتراض کا علمی وتحقیقی جواب دیا ہے۔ موصوف کا یہ مضمون ماہنامہ دعوت اہل حدیث حیدرآباد میں دس قسطوں میں چھپا تھا اور اب نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کو بھی ادارہ ''دارالرحمانیہ'' کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے۔

محمد افضل کھوکھر

موبائل 0333-2209504

فہرست مضامین

نمبر شمار		صفحہ نمبر
1	دینی امور پر اجرت کا جواز	10
2	دلیل نمبر 1۔ ابوسعید الخدریؓ کی روایت	10
3	عبداللہ بن عباسؓ کی روایت	13
4	حافظ ابن حجر العسقلانیؒ کی وضاحت	15
5	امام نووی رحمہ اللہ کی وضاحت	16
6	امام ترمذی کی وضاحت	17
7	امام بخاریؒ کے ان احادیث پر قائم کردہ ابواب	17
8	امام ابن العربیؒ کی وضاحت	18
9	امام البیہقیؒ کی وضاحت	18
10	امام خطابیؒ کی وضاحت	19
11	حافظ ابن حزم الاندلسیؒ کی وضاحت	20
12	سید محمود آلوسی الحنفیؒ کی وضاحت	21
13	مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی وضاحت	22
14	احناف کا موقف	22
15	دوسری دلیل (قرآن کریم کو مہر قرار دینے والی روایت	23

16	امام الترمذیؒ کی وضاحت	25
17	ام المومنین صفیہؓ کا مہران کی آزادی قرار پایا۔	25
18	ام سلیم کا مہر ابوطلحہؓ کا اسلام قبول کرنا قرار پایا۔	26
19	جناب موسیٰ علیہ السلام کا نکاح	28
20	بعض اعتراضات کے جوابات	29
21	یہ ایک خاص واقعہ تھا؟ جس کی وجہ قبیلہ والوں کی بے مروتی تھی۔ اور اس کا جواب	30
22	قبیلہ والوں کا صحابہ کرام کی دودھ سے تواضع کرنا۔	33
23	قد اصبتم اور احسنتم کے الفاظ کو نقل نہ کرنا۔	33
24	دینی علوم پڑھانے والوں کے وظائف پر پابندی لگانے کا مقصد دینی علوم کا خاتمہ ہے۔	33
25	قیامت کی علامات میں سے علم کا اٹھ جانا بھی ہے۔	35
26	انس بن مالکؓ کی روایت	35
27	عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت	35
28	عتبہ بن عامرؓ کی روایت کی وضاحت	36
29	حافظ ابن حجر کی وضاحت	36
30	دوسرا اعتراض	38
31	اگر یہ اجرت تھی تو صرف دم کرنے والے کا حق تھی؟	38

32	امام نوویؒ کی وضاحت	40
33	تیسری دلیل خارجہ بن الصلتؓ کی روایت	42
34	قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ کی روایت	44
35	چوتھی دلیل۔ والعاملین علیہا	45
36	حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی وضاحت	45
37	عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت	46
38	محمد داؤد راز رحمہ اللہ کی وضاحت	47
39	پانچویں دلیل ''فی سبیل اللہ''	48
40	حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی وضاحت	48
41	عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی وضاحت	48
42	سورۃ البقرہ آیت ۲۷۳ سے اس کی وضاحت	49
43	چھٹی دلیل۔ خمس اور مال فے کے مصارف	49
44	سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معلمین اور مؤذنین وغیرہ کے لئے وظائف مقرر کرنا۔	50
45	عمر ثانی، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا طرز عمل	51
46	آٹھویں دلیل قاضی کے لئے عہدہ قضا کی اجرت	52
47	حافظ ابن حجر العسقلانی کی وضاحت	53
48	عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاضیوں کے لئے وظائف مقرر کرنا۔	53

49	تعلیم القرآن پر اجرت کی ممانعت کے سلسلے میں روایات کی حیثیت	54
50	عبدالرحمٰن بن شبلی رضی اللہ عنہ کی روایت	54
51	حافظ زبیر علیزئی کی تحقیق	57
52	اس روایت کا صحیح مفہوم اور اس کی وضاحت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت سے	57
53	عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت	59
54	اس روایت کا روای الاسود بن ثعلبہ مجہول ہے	59
55	اس روایت کی دوسری سند کے راوی بشر بن عبداللہ بن یسار غیر معروف ہے۔	60
56	اس روایت کی وضاحت امام البیہقیؒ سے	61
57	امام خطابیؒ سے اس روایت کی وضاحت	62
58	حافظ ابن کثیر کی وضاحت	63
59	ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت	63
60	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت	64
61	ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت	64
62	جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت	65
63	سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت	65
64	اس روایت کا صحیح مفہوم	66

65	عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت	67
66	آیت ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا سے استدلال	68
67	اس آیت کی وضاحت دوسری آیات سے	69
68	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی وضاحت	70
69	علامہ آلوسی کی وضاحت	72
70	قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی وضاحت	73
71	الشیخ عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی وضاحت	73
72	حافظ صلاح الدین یوسف کی وضاحت	74
73	ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کی روایت	75
74	آیت وما اسئلکم علیہ اجرا سے استدلال	76
75	علامہ آلوسی کی وضاحت	76
76	ڈاکٹر محمد لقمان صاحب کی وضاحت	76
77	ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ”انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔“	77
78	خلاصہ کلام	78
79	دینی امور کو انجام دینے والوں کے لئے ہدایات	79

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

عذاب القبر کے منکرین نے عذاب القبر کے انکار کے ساتھ ساتھ دینی امور پر اجرت کے جواز کا بھی انکار کیا ہے اور عوام الناس میں وہ علماء کے خلاف یہ زبردست پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ یہ لوگ دین پر اجرت لیتے ہیں لہٰذا ایسے علماء کے پیچھے نمازیں ادا کرنا بھی جائز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی یہ زبردست خواہش ہے کہ ایسے تمام تعلیمی ادارے بند ہو جائیں کہ جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اور اس سلسلہ میں وہ آئے دن سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کے دباؤ کی وجہ سے حکومت پاکستان نے سلیبس میں سے وہ تمام سورتیں اور آیات نکال دیں کہ جن میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹوں نے ایک جدید منصوبہ بنایا کہ قرآن وحدیث کے تمام اداروں کو بند کر دیا جائے اور وہ اس طرح کہ یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ دینی امور پر اجرت حرام ہے کیوں کہ اگر براہ راست یہ بات کہہ دی جائے کہ دینی اداروں کو بند کر دیا جائے تو اس بات کے خلاف دنیا کے تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا سلسلہ وار اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جائے اس فتوٰی کے ذریعے جب عوام الناس کے ذہنوں کو واش کر دیا جائے گا تو پھر دینی اداروں پر پابندی لگانا ان کے خیال کے مطابق آسان ہو جائے گا اور یہ فتوٰی جب ہر طرف سے اور ہر سطح سے اٹھے گا اور علماء کرام کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ معاش کے لئے دنیا کی طرف رجوع کریں اس طرح ان کے خیال کے مطابق یہ دینی ادارے علماء کرام کی سرپرستی سے محروم ہوتے چلے جائیں گے۔ پھر جب علماء دنیا کے کام دھندوں میں الجھ جائیں گے تو دینی ادارے ویران ہو جائیں گے اور جب یہ سب

ہو جائے گا تو پھر آخر کار قرآن وحدیث کا علم دنیا سے اٹھ جائے گا اور اس طرح یہ سازش ان کے خیال میں کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گی جو لوگ دنیاوی ڈگریوں کے حصول کے پیچھے اپنی آدھی عمر لگا دیتے ہیں اور پھر گورنمنٹ کے اعلیٰ اداروں میں ملازمت اختیار کر کے دنیا کا مال و دولت خوب سمیٹتے ہیں اور اسے گویا وہ اپنا حق سمجھتے ہیں بلکہ اس مقصد کے لئے بسا اوقات کروڑوں اور کھربوں کے فراڈ بھی کئے جاتے ہیں اور حکومت کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جو علماء کرام دن رات دین کی خدمت کے لئے وقف رہتے ہیں اور گزارہ کے قابل وظیفہ پر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں ان کا یہ معمولی وظیفہ بھی ان دنیا داروں کو کھٹکنے لگتا ہے۔

منکرین عذاب القبر کی طرف سے اس سلسلہ میں کچھ لٹریچر بھی شائع کیا گیا ہے جس میں اپنی عادت کے مطابق صرف اپنے خود ساختہ مسئلہ کو منوانے کی کوشش کی گئی ہے اور ڈاکٹر عثمانی کی تقلید کرتے ہوئے اور اس کے طریقہ واردات کے مطابق حقیقی دلائل سے چشم پوشی کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دھوکا دہی اور فراڈ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اسلئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اصل مسئلہ کو قرآن وحدیث کے ٹھوس دلائل کے ساتھ واضح کر دیا جائے اور اس سلسلے میں جو غلط تاویلات پیش کی گئی ہیں ان کا پردہ بھی چاک کر دیا جائے۔

میں نے اپنے اس مضمون میں محدثین کرام، مفسرین کرام اور علماء سلف صالحین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں جب کہ عثمانی فرقہ نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے سلف صالحین میں سے کوئی محدث و مفسر اور عالم دین ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتا۔ اس کے باوجود بھی یہ فرقہ نہ صرف قرآن وحدیث کا انکاری ہے بلکہ ''میں نہ مانوں'' والی پالیسی پر بھی گامزن ہے۔ چونکہ اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کمی کو پورا کرنے کی ممکنہ حد تک کوشش کی جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ عذاب قبر جیسے اہم موضوع پر میں نے کئی کتابیں شائع کی ہیں کیوں کہ ان کی اس وقت شدید ضرورت ہے اور لوگ اب ان کتابوں کا خطوط کے ذریعے مطالبہ کر رہے ہیں لیکن وسائل نہ ہونے کی بناء پر میں انہیں دوبارہ شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں

ہوں اور اس سلسلے میں کسی پبلشرز نے مجھ سے رابطہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ ان کتابوں کی اس وقت شدید ضرورت ہے کیوں کہ اعمال سے پہلے عقیدہ کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن اعمال کی اہمیت پر بہت کتب شائع ہو رہی ہیں اور اس اہم مسئلہ سے چشم پوشی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اہل خیر حضرات اس طرف توجہ فرمائیں اور اس عظیم فتنہ کا مقابلہ کرنے میں میرے مدد و معاون بنیں۔ کیونکہ انکار حدیث کا یہ فتنہ پورے ملک میں پھیلتا جا رہا ہے اور بیرون ملک بھی اس کے اثرات محسوس کیئے جا رہے ہیں۔

یہ مضمون ماہنامہ دعوت اہل حدیث حیدر آباد میں دس قطسوں میں چھپ چکا ہے۔ اور اب مناسب تصحیح کے بعد اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ میں محترم جناب محمد افضل کھوکھر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کو شائع کرنے میں پیش رفت فرمائی اور اس طرح یہ کتاب چھپنے کے بعد آپ کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کار خیر پر اجرِ عظیم عطاء فرمائے اور اس کتاب کو ان کے اور میرے اور دیگر معاونین کے لئے ذریعۂ نجات بنا دے اور جو لوگ ان کی کوششوں سے قرآن و حدیث سے دور ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کی ہدایت کا بھی ذریعہ بنا دے آمین ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ ابو جابر عبداللہ

دامانوی

۱۵/رجب ۱۴۲۵ھ

بمطابق یکم اگست

2004ء

دینی امور پر اجرت کا جواز

آج کل عذابِ قبر کے منکرین نے عذابِ قبر کے علاوہ دینی امور پر اجرت کے مسئلہ کو بھی اپنا ایشو بنا رکھا ہے اور اس بات کی وہ دن رات تبلیغ کر رہے ہیں کہ دینی امور پر اجرت نا جائز ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ لٹریچر بھی شائع کیا ہے جس میں کچھ روایات سے انہوں نے اجرت کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ عذابِ قبر کی صحیح وصریح اور متواتر احادیث کو تو یہ فرقہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

لیکن دینی امور پر اجرت کے مسئلہ کے لئے ضعیف روایات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جو روایات اجرت کے جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں ان کی دور از کار قسم کی تاویلات پیش کی گئی ہیں۔ حالانکہ ایسی باطل تاویلات ان محدثین کرام کے وہم وخیال میں بھی نہ تھیں کہ جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث ہیں انہیں پیش کیا جاتا ہے اور جن ضعیف روایات کو منکرین عذاب القبر نے پیش کیا ہے ان کی حقیقت بھی واضح کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز۔

دلیل نمبر ۱:

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ : انطلق نفر من اصحاب النبی ﷺ فی

سفرة سافروها، حتى نزلوا على حي من احياء العرب فاستضافوهم فابوا ان يضيفوهم ، فلدغ سيد ذلك الحي، فسعوا له بكل شئی، لا ينفعه شئی، فاتو هم فقالوا: يا ايها الرهط ان سيدنا الدغ وسعينا له بكل شئي لا ينفعه فهل عند احدمنكم من شئی؟ فقال بعضهم نعم والله ، انی لارقی ، ولكن والله لقد استضفنا كم فلم تضيفونا ، فما انا براق لكم حتى تجعلوا لنا جعلا. فصالحوهم على قطيع من الغنم فانطلق يتفل عليه ويقرأ: الحمدلله رب العالمين فكانما نشط من عقال ، فانطلق يمشی وما به قلبة،

قال: فافوهم جعلهم الذی صالحوهم عليه فقال بعضهم : اقسموا فقال الذی رقی : لا تفعلوا حتى نأتي النبی ﷺ فنذكر له الذی كان فتنظر ما يأ مرنا فقد مواعلى رسول الله ﷺ فذكروا له فقال: وما يدريك انها رقيه؟ ثم قال: قد اصبتم اقسموا واضربوا لی معكم سهما فضحك رسول الله ﷺ قال ابو عبدالله وقال شعبة: حدثنا ابو بشر سمعت ابالمتوكل بهذا.(رواه البخاری : ۵۷۴۹،۵۰۰۷)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر میں تھے۔ دورانِ سفر وہ عرب کے ایک قبیلہ پر اترے۔ صحابہ نے چاہا کہ قبیلہ والے انہیں اپنا مہمان بنالیں۔ لیکن انہوں نے مہمانی نہیں کی بلکہ صاف انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے ہر طرح کوشش کر ڈالی، لیکن ان کا سردار اچھا نہ ہوا۔ ان کے کسی آدمی نے کہا چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں آکر اترے ہیں، ممکن ہے کہ ان کے پاس کوئی چیز موجود ہو۔ چنانچہ قبیلہ والے ان کے پاس آئے اور کہا کہ بھائیو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اس کے لئے ہم نے ہر قسم کی کوشش کر ڈالی ہے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اسے جھاڑوں گا۔ لیکن ہم

نے تم سے میزبانی کے لئے کہا تھا اور تم نے اس سے انکار کر دیا۔ اس لئے اب میں بھی اجرت کے بغیر نہیں جھاڑ سکتا، آخر بکریوں کے گلے پر ان کا معاملہ طے ہوا۔ وہ صحابی وہاں گئے اور الحمد للہ رب العالمین پڑھ پڑھ کر دم کیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی کی رسی کھول دی گئی ہو۔ وہ سردار اٹھ کر چلنے لگا۔ تکلیف و درد کا نام و نشان بھی باقی نہیں تھا۔ پھر انہوں نے طے شدہ اجرت صحابی کو ادا کر دی۔ کسی نے کہا کہ اسے تقسیم کر لو۔ لیکن جنہوں نے جھاڑا تھا وہ بولے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے ہم آپ سے اس کا ذکر کر لیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ آپ ﷺ کیا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ سب صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ بھی ایک رُقیہ ہے؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا۔ اسے تقسیم کر لو اور ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔

(صحیح بخاری کتاب ۳۷ الاجارۃ باب ۱۶ ما یعطی فی الرقیہ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب ۲۲۸۷)۔

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب ۶۶ فضائل القرآن باب ۹ فضل فاتحۃ الکتاب (۵۰۰۷) کتاب الطب ۷۶، باب ۳۳ الرقی بفاتحۃ الکتاب (۵۷۳۶) اور باب النفث فی الرقیہ (۵۷۴۷) میں بھی بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم کتاب السلام باب جواز اخذ الاجر عن الرقیۃ والاذکار (۵۷۳۳) ابوداؤد، کتاب البیوع باب کیف الرقی (۳۹۰۰) جامع الترمذی کتاب الطب باب ماجاء فی اخذ الاجرۃ علی التعویذ (۲۰۶۳)، سنن ابن ماجۃ کتاب التجارات باب اجر الراقی (۲۱۰۶) مسند احمد ج ۳ ص ۲، ۱۰، ۴۴، ۵۰، ۸۳، الفتح الربانی لترتیب مسند امام احمد بن حنبل الشیبانی، ۱۷ ص ۱۸۴۔۱۸۵۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دم پر جو اجرت لی تھی اسے نبی ﷺ نے نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس میں آپ ﷺ نے اپنا حصہ بھی مقرر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ صحابہ کرام کو اس مال کے حلال و طیب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اس واقعہ پر ہنس کر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔

عام روایات میں دم کرنے والے کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ مسند احمد (۱۰/۳) اور جامع الترمذی کی روایات میں ہے کہ دم کرنے والے خود راوی حدیث جناب ابوسعید الخدری ہی تھے۔ صحیح بخاری، مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات میں بکریوں کی تعداد تیس ۳۰ ذکر کی گئی ہے۔ اور مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات میں ہے کہ سورۃ فاتحہ کو سات مرتبہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا گیا اور جو تھوک جمع ہو جاتا ہے اسے وہ صحابی زخم کی جگہ پر تھتکار دیتے۔ بخاری کی اس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ واقعہ سننے کے بعد فرمایا قد اصبتم (تم نے بالکل ٹھیک کیا) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: احسنتم (تم نے اچھا کیا) مسلم وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ کی ایک خاتون نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ ان کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ نیز قبیلہ والوں نے اجرت کے علاوہ صحابہ کرام کی دودھ سے تواضع بھی کی (مسلم) اور اس طرح انہوں نے صحابہ کرام سے میزبانی کے معاملے میں جو بے اعتنائی برتی تھی اس کا انہوں نے ازالہ کر دیا۔

اس حدیث کی مزید وضاحت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ جس طرح قرآن حکیم کی ایک آیت کی وضاحت دوسری آیت کرتی ہے، اسی طرح ایک حدیث کی وضاحت بھی دوسری حدیث کرتی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث یہ ہے:

عن ابن عباس ان نفرا من اصحاب النبی ﷺ مروا بماء فیہم لدیغ او سلیم فعرض لہم رجل من اہل الماء فقال: ہل فیکم من راق؟ ان فی الماء رجلا لدیغا او سلیما فانطلق رجل منہم فقرا بفاتحۃ الکتاب علی شاء فبراء فجاء بالشاء الی اصحابہ فکرہوا ذالک وقالوا اخذت علی کتاب اللہ اجراء؟ حتی قدموا المدینۃ فقالوا: یارسول اللہ اخذ علی کتاب اللہ اجرا فقال رسول اللہ ﷺ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ

(صحیح بخاری کتاب الطب باب الشرط فی الرقیۃ بفاتحۃ الکتاب (۵۷۳۷) موارد الظمان (۱۱۳۱) السنن الکبری للبیہقی (۴۳۰/۱) (۱۲۴/۶)، ۴۳۳/۷ شرح السنۃ للبغوی ۴۵۱/۴، الدارقطنی

(۶۵/۳)مشکاۃ (۲۹۸۵)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے چند صحابہ ایک پانی سے گزرے جس کے پاس کے قبیلہ میں سانپ یا بچھو کاٹا ہوا (لدیغ یا سلیم راوی کو ان دونوں الفاظ کے متعلق شک ہے) ایک شخص تھا۔ قبیلہ کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کیا آپ لوگوں میں کوئی دم کرنے والا ہے۔ ہمارے قبیلہ میں ایک شخص کو سانپ یا بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ چنانچہ صحابہ کی اس جماعت میں سے ایک صحابی اس شخص کے ساتھ گئے اور چند بکریوں کی شرط کے ساتھ اس شخص پر سورۃ فاتحہ پڑھی اس سے وہ اچھا ہو گیا وہ صاحب شرط کے مطابق بکریاں اپنے ساتھیوں کے پاس لائے تو انہوں نے اسے قبول کر لینا پسند نہیں کیا اور کہا کہ اللہ کی کتاب پر تم نے اجرت لی ہے۔ آخر جب سب لوگ مدینہ آئے تو (پورا واقعہ) عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ان صاحب نے اللہ کی کتاب پر اجرت لی ہے۔ آپ نے فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اس کی مستحق اللہ کی کتاب ہی ہے۔ (کہ اس پر اجرت حاصل کی جائے۔)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب دم کرنے والے صحابی نے وہ بکریاں لے لیں تو دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے اختلاف کیا اور ان سے کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے چنانچہ صحابہ کرام نے یہ تمام واقعہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں کتاب اللہ سب سے زیادہ مستحق ہے (کہ اس پر اجرت لی جائے) صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب ان میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کروایا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر وہ راضی ہو جاتے۔ اور یہی ایمان خالص ہے کہ ایک مومن اللہ اور رسول کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر لے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس عمل کو درست قرار دیا اور فرمایا:

قد اصبتم (تم نے بالکل درست کیا) (بخاری) اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔

احسنتم (تم نے اچھا کیا)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(1) دم پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ احادیث اس مسئلہ پر نص قطعی کا درجہ رکھتی ہیں۔

(2) اس واقعہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے ایک عام اصول اور قاعدہ بھی بیان فرمایا اور وہ یہ ہے ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ (جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔) اس حدیث نے یہ مسئلہ واضح کردیا کہ دم کے علاوہ تعلیم القرآن وغیرہ پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے۔

ان احادیث میں لدیغ اور سلیم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لدغ = ڈنگ مارنا جیسے لسع ہے ۔بعضوں نے کہا سانپ کے کاٹے کو لسع کہتے ہیں اور بچھو کے کاٹے کو لدغ اور ہر ایک لفظ دوسرے میں مستعمل ہوتا ہے (لغات القرآن ۳۰/۴) عموماً لدغ بچھو کے ڈسنے اور سلم سانپ کے ڈسنے پر استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واستدل بہ للجمہور فی جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن ، وخالف الحنفیۃ فمنعوہ فی التعلیم واجازوہ فی الرقی کالدوا قالو لان تعلیم القرآن عبادۃ والاجر فیہ علی اللہ وہو القیاس فی الرقی الا انھم اجازوہ فیہا لہذا الخبر ، وحمل بعضہم الاجر فی ہذا الحدیث علی الثواب وسیاق القصۃ التی فی الحدیث یابی ہذا التاویل۔ وادعی بعضہم نسخہ بالاحادیث الواردہ فی الوعید علی اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن وقد رواہا ابوداؤد وغیرہ، وتعقب بانہ اثبات للنسخ بالاحتمال وہو مردود، وبان الاحادیث لیس فیہا تصریح بالمنع علی الاطلاق بل ہی وقائع احوال محتملۃ للتاویل لتوافق الاحادیث الصحیحۃ کحدیثی الباب، وبان الاحادیث المذکورۃ ایضا لیس فیہا ماتقوم بہ الحجۃ فلا تعارض الاحادیث الصحیحۃ وسیکون لنا عودۃ الی البحث فی ذلک فی کتاب النکاح فی التزویج علی تعلیم القرآن (فتح الباری کتاب الاجارۃ ۴۵۴/۴)

” جمہور علماء کرام نے اس حدیث سے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے جواز پر استدلال کرکے اجرت کو درست قرار دیا ہے۔ اور حنفیہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا درست نہیں ہے البتہ جھاڑ پھونک پر اجرت لینا درست ہے۔ کیونکہ جھاڑ

پھونک دوا کی طرح ہے (اور دوا علاج پر اجرت لی جاتی ہے) حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ تعلیم القرآن عبادت ہے اور اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ اس سے جھاڑ پھونک پر بھی اجرت نہ لی جائے لیکن حنفیہ نے اس حدیث کی بنا پر اسے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اجر سے مراد ثواب ہے لیکن اس حدیث کا سیاق اس تاویل کو رد کرتا ہے اور بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ احادیث ان احادیث کی وجہ سے منسوخ ہیں کہ جن میں تعلیم القرآن پر اجرت لینے پر وعید آئی ہے اور جسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن ایسے لوگوں کا تعقب کیا گیا کہ انہوں نے نسخ کا دعویٰ صرف احتمال کی بناء پر کیا ہے اور احتمال سے نسخ ثابت کرنا مردود ہے اور ان احادیث میں مطلق منع کی صراحت نہیں ہے بلکہ وہ مختلف اوقات سے متعلق ہیں کہ جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں تا کہ اس طرح وہ روایات صحیح احادیث کے موافق ہو جائیں جیسا کہ اس باب کی حدیث ہے۔ نیز یہ احادیث اس قابل نہیں ہیں کہ ان (ضعیف روایات) کے ذریعے کوئی حجت قائم ہو سکے پس وہ روایات احادیث صحیحہ کے معارض نہیں ہیں اور اس کی بحث ہم کتاب النکاح باب التزویج علی تعلیم القرآن (تعلیم القرآن کے عوض نکاح کرنے کا بیان) میں کریں گے۔''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قولہ ﷺ (خذوا منہم واضربوا لی بسھم معکم) ہذا تصریح بجواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالفاتحۃ والذکر وانہا حلال لا کراہیۃ فیہا وکذا الاجرۃ علی تعلیم القرآن وہذا مذہب الشافعی و مالک واحمد و اسحاق وابی ثور واخرین من السلف ومن بعدہم ومنعہا ابوحنیفہ فی تعلیم القرآن واجازہا فی الرقیۃ...... قولہ ﷺ واضربوا لی بسھم فانما قالہ تطیبا لقلوبہم ومبالغہم فی تعریفہم انہ حلال لا شبہۃ فیہ (شرح صحیح مسلم للامام نووی ۲/۲۲۴)

''اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس مال کو لے لو اور اس میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔ اس فرمان میں وضاحت ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ذکر کے ذریعے جھاڑ پھونک پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور بلاشبہ یہ حلال ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی طرح تعلیم القرآن پر بھی اجرت لینا جائز ہے اور یہ مذہب امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام اسحاق، امام ابوثور کا سلف میں سے اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہے اور امام ابوحنیفہ نے تعلیم القرآن پر اجرت سے منع کیا ہے اور رقیہ پر اجرت

کی اجازت دی ہے (اور آگے فرماتے ہیں) نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے ''کہ اس میں میرا حصہ بھی لگاؤ، صحابہ کرام کے دلوں کو پاک صاف کرنے کے لئے تھا اور اس مال کی تعریف میں مبالغہ کے لئے تھا کہ بلا شبہ یہ مال حلال ہے۔''

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

ورخص الشافعی للمعلم ان یاخذ علی تعلیم القرآن اجرا ویری لہ ان یشترط علی ذلک واحتج بھذا الحدیث (جامع ترمذی ۲۰۶۳)

''اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معلم کو تعلیم القرآن پر اجرت لینے کی رخصت دی ہے۔ اور اس بات کی بھی کہ وہ اسے مشروط کر سکتا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے۔

باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر عربوں پر پھونکنا اور اس پر اجرت لینا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی دم پر اجرت کے قائل ہیں اور کتاب الطب میں انہوں نے ایک اور باب قائم کیا ہے۔

باب الشرط فی الرقیۃ بفاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ سے دم کرنے میں (بکریاں لینے کی) شرط لگانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک دم پر شرط لگانا کہ میں اس کام پر اتنی بکریاں یا مال لوں گا) بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں امام بخاریؒ نے کتاب النکاح میں باب التزویج علی تعلیم القرآن (تعلیم القرآن کے عوض نکاح کرنے کا بیان) قائم کیا ہے۔ جس سے انہوں نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے تعلیم القرآن پر اجرت لینا جائز ہے امام بخاری نے کتاب الاجارہ کے باب کے تحت سب سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے یہ آخری الفاظ نقل کئے ہیں۔ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کتاب اللہ سب سے زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم اس پر اجرت حاصل کرو۔'' پھر امام بخاری نے امام الشعبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لا یشترط المعلم الا ان یعطی شیئا فلیقبلہ (معلم تعلیم پر کوئی شرط نہ لگائے البتہ جو کچھ اسے بن مانگے دیا جائے

وہ اسے لے لے) اور امام حکم کا قول ہے۔ لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم میں نے کسی (عالم) شخص سے یہ نہیں سنا کہ معلم کی اجرت کو اس نے ناپسند کیا ہو واعطی الحسن دراہم عشرہ اور امام حسن بصری نے (معلم کو) دس درہم اجرت کے دیئے۔

ان احادیث اور آثار کو ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت جائز ہے۔

امام ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جواز اخذ الاجرۃ علی القرآن وقد اتبعہ بقولہ فی الصحیح ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ (عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ۱۶۸/۸ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

''اس حدیث سے قرآن پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کتاب اللہ سب سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس پر اجرت حاصل کرو۔''

امام بیہقی اس حدیث کا ذکر کرکے فرماتے ہیں۔

وہو عام فی جواز اخذ الاجرۃ علی کتاب اللہ تعالیٰ بالتعلیم وغیرہ واذا جاز اخذ الاجرۃ علیہ جاز ان یکون مہرا وحدیث ابن عباس اصح من حدیث عبادۃ...... (معرفۃ السنن والآثار ۳۸۱/۵)

''اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کتاب اللہ کی تعلیم وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز کے سلسلے میں عام ہے اور جب کتاب اللہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے تو جائز ہے کہ تعلیم قرآن مہر مقرر ہو اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث عبادہ سے زیادہ صحیح ہے۔''

امام بیہقی عدم جواز کی ضعیف اور موضوع روایات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ویشبہ ان کان شیء من ہذا ثابتا ان یکون منسوخا بحدیث ابن عباس وبما روی فی معناہ عن ابی سعید الخدری، ویستدل علی ذلک بذہابۃ عامۃ اہل العلم علی ترک ظاہرہ وبان ابا سعید وابن عباس انما حملا الحدیث علی انہ آخر عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویشبہ ان یکون عبادۃ تبرع بالصلاۃ حملتہ فی الابتداء واللہ اعلم (معرفۃ السنن والآثار ۵_۳۸۱،۳۸۲) نصب الرایہ (۱۳۷/۴)

''اور اگر عدم جواز کی کوئی روایت ثابت بھی ہو تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے منسوخ ہوگی۔ اور اسی طرح کی حدیث ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور عام اہل علم نے ان احادیث کے ظاہر کی وجہ سے ان (ضعیف) روایات کے ترک پر استدلال کیا ہے۔''

امام ابو سلیمان الخطابی'' اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں:

وفی ہذا بیان جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن، ولو کان ذلک حراما لامرہم النبی ﷺ برد القطیع ،فلما صوب فعلہم ،وقال لہم ''احسنتم'' ورضی الاجرۃ التی اخذوھا لنفسہ ''فقال اضربوا لی معکم بسہم ثبت انہ طلق مباح، وان المذہب الذی ذہب الیہ من جمع بین اخبار بار الاباحۃ والکراہۃ فی جواز اخذ الاجرۃ علی لا یتعین الفرض فیہ علی معلمہ ونفی جوازہ علی ما یتعین فی التعلیم: مذہب سدید، وہو قول ابی سعید الاصطخری

وفی الحدیث دلیل: علی جواز بیع المصاحف، واخذ الاجرۃ علی کتبہا وفیہ: اباحۃ الرقیۃ بذکر اللہ فی اسمائہ وفیہ: اباحۃ اجر الطبیب والمعالج، وذلک ان القراۃ والرقیۃ والنفث: فعل من الافعال المباحۃ وقد اباح لہ اخذ الاجرۃ علیہا، وفکذا لک ما یفعلہ الطبیب من قول ووصف علاج: فعل لا فرق بینہا

''اس حدیث میں تعلیم القرآن پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ انہیں بکریوں کا ریوڑ لوٹانے کا حکم دیتے۔ پس جب آپ نے اسے درست قرار دیا اور ان سے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا اور ان کی اس اجرت پر آپ راضی ہوئے جو انہوں نے اپنی ذات کے لئے حاصل کی تھی۔ اور آپ نے فرمایا اس میں میرا بھی حصہ لگاؤ، ثابت ہوا کہ یہ حلال اور جائز ہے اور وہ مذہب جس کی طرف وہ علماء گئے ہیں جنہوں نے جواز اور کراہت دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق دی ہے اور وہ اس طرح کہ اس معلم کے لئے جس پر سکھانے کا فرض عائد نہیں ہوتا اس کے لئے جائز ہے اور اس معلم کے لئے جواز کی نفی ہے جس پر سکھانے کا فرض عائد ہوتا ہے اور یہی مذہب ٹھیک اور درست ہے اور یہی قول ابو سعید اصطخری کا ہے۔

اور اس حدیث میں دلیل ہے قرآن مجید کو فروخت کرنے اور اس کے لکھنے پر اجرت حاصل کرنا جائز

ہے اور اس (حدیث) میں اللہ کے ناموں کے ذکر کے ساتھ رقیہ کرنے کا جواز نیز طبیب اور معالج کی اجرت کا بھی جواز ہے اور اس لئے کہ قرأت، رقیہ اور نفث (دم) مباح افعال ہیں اور ان پر اجرت لینی جائز ہے اسی طرح طبیب اپنے قول اور وصف علاج سے جو کام کرتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

حافظ ابن حزم الندلسی فرماتے ہیں۔

والاجارة جائزة علی تعلیم القرآن وعلی تعلیم العلم مشاہرة وجملة وکل ذلک جائز، وعلی الرقی، وعلی نسخ المصاحف، ونسخ کتب العلم، لانہ لم یأت فی النہی عن ذلک نص، بل قد جائت الاباحة کمارویناہ من طریق البخاری فقال رسول اللہ ﷺ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ ، والخبر المشہور ان رسول اللہ ﷺ زوج امراة من رجل بما معہ من القرآن ای لیعلمہا ایاہ وہو قول مالک، والشافعی، وابی سلیمان

"اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور علم کی تعلیم پر بھی جائز ہے چاہے ماہانہ لیا جائے اور اکٹھا ہر طرح سے جائز ہے اور دم کرنے قرآن مجید لکھنے یا علمی کتابیں لکھنے پر بھی جائز ہے اس لئے کہ اس کی ممانعت پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ اس بارے میں احادیث میں اباحت (جواز) کا آنا ثابت ہے۔جیسا کہ ہم نے بخاری کے طریق سے روایت کیا ہے (چنانچہ امام ابن حزم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو نقل کیا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اس کی مستحق اللہ کی کتاب ہے اور مشہور احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خاتون کا نکاح ایک شخص کے ساتھ قرآن پر کر دیا۔تا کہ وہ صحابی اس خاتون کو قرآن کی وہ سورتیں یاد کرادے اور یہی سورتیں اس کا مہر قرار پائیں۔اور یہ قول امام مالک امام شافعی اور ابو سلیمان الخطابی کا ہے۔"

حافظ ابن حزم نے ان روایات کو بھی ذکر کیا ہے کہ جن میں ممانعت کا ذکر ہے اور ایسی تمام روایات پر جرح کی ہے اور فرماتے ہیں۔

اما الاحادیث فی ذلک عن رسول اللہ ﷺ فلا یصح منہا شیء

اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو ممانعت کی روایت آئی ہے ان میں کوئی روایت بھی صحیح

نہیں ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

ثم لو صحت لکانت کلہا قد خالفہا ابو حنیفۃ و اصحابہ، لانہا کلہا انما جاءت فیما اعطی بغیر اجرۃ ولا مشارطۃ، وہم یجیزون ہذا الوجہ فمو ہوا بایراد احادیث لیس فیہا شیء مما منعوا، وہم مخالفون لما فیہا فبطل کل ما فی ہذا الباب، والصحابۃ رضی اللہ عنہم قد اختلفوا فبقی الاثران الصحیحان عن رسول اللہ ﷺ اللذان اوردنا لا معارض لہما و باللہ تعالیٰ التوفیق (المحلی بالآثار لابن حزم الندلسی ۷/۲۱) ''پھر اگر یہ روایات صحیح بھی ثابت ہو جائیں تو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان کی مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ ان تمام روایات میں جو تحفہ دینے کا ذکر ہے وہ بغیر اجرت اور بغیر شرط کے ہے۔ (یعنی ان روایات میں اجرت اور شرط کا کوئی ذکر نہیں ہے) اور وہ اس طریقہ کو جائز قرار دیتے ہیں پس انہوں نے ملمع سازی کرتے ہوئے ایسی روایات (اس مسئلہ میں) وارد کی ہیں جن میں اس چیز کی ممانعت نہیں جس سے انہوں نے منع کیا اور ان روایات میں جو کچھ ہے وہ خود اس کے مخالف ہیں۔ پس (اس وضاحت سے) جو اس باب میں ہے سب باطل ہو گیا۔ اور صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، باقی رہ گئیں وہ دو صحیح حدیثیں جو ہم نے وارد کیں ان دونوں کے لئے کوئی معارض نہیں و باللہ تعالیٰ التوفیق

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

والاکثرون من الشافعیۃ ان ما کان لہ ﷺ من خمس الخمس یصرف لمصالح المسلمین کالثغور وقضاۃ البلاد والعلماء المشتغلین بعلوم الشرع وآلاتہا ولو مبتدئین والائمۃ والموذنین ولو اغنیاء وسائر من یشتغل عن نحو کسبہ بمصالح المسلمین لعموم نفعہم (روح المعانی ۱۴/۴۶ پ ۲۸)

''اور اکثر شافعی علماء کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمس (اور مال فے) کو مسلمین کے بھلائی کے کاموں میں استعمال فرمایا کرتے تھے جیسے دشمن کی سرحد پر پہرہ دینے والوں، اور شہروں میں مقرر کئے گئے قاضی حضرات اور وہ علماء جو شرعی علوم کی تحصیل میں مشغول ہوں اور اس کے آلات اور اگر چہ ان آلات کو ایجاد کیا گیا ہو۔ اور اماموں اور موذنین کے لئے اگر چہ وہ امیر ہوں اور وہ تمام لوگ جو مسلمین کے بھلائی کے کاموں میں لگے ہوئے ہوں اور ان کے عموی نفع کی وجہ سے ان تمام کو مال خمس اور مال فے میں سے وظائف دیئے جاتے تھے۔''

مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث اعظم دلیل علی ان یجوز الاجرة علی الرقی والطب کما قالہ الشافعی ومالک وابوحنیفہ واحمد و اما الاجرة علی تعلیم القرآن فاجازہا الجمہور بہذا الحدیث و بروایۃ البخاری ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ وحرمہ ابوحنیفہ قالہ ابن رسلان قلت ولکن اجازہ متاخروالحنفیہ لضرورة (بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج٦ ص١١)

''اس حدیث میں رقیہ اور طب پر اجرت لینے کی بہت بڑی دلیل ہے جیسا کہ امام شافعی، امام مالک ، امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے کہا اور رہی تعلیم القرآن پر اجرت تو جمہور نے اس حدیث کی بناء پر اس کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری کی یہ روایت ''بیشک جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب اجرت لینے کی زیادہ مستحق ہے۔'' (بھی اس کی دلیل ہے) اور امام ابوحنیفہ نے اجرت کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ابن رسلان نے کہا۔ میں (خلیل احمد) کہتا ہوں لیکن متاخرین حنفیہ نے ضرورت کی بناء پر اجرت کی اجازت دی ہے۔''

اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ رقیہ پر تمام علماء کا اجماع ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ بھی اس کے قائل ہیں اور تعلیم القرآن پر جمہور کا اتفاق ہے۔ یعنی امت کے علماء کی اکثریت تعلیم القرآن پر اجرت کی قائل ہے اور اس سلسلے میں جو روایات آئی ہیں ان کے صحیح ہونے پر بھی پوری امت کا اتفاق ہے البتہ جن راوایات کو ممانعت کے سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے وہ نہ تو صحیح ہیں اور نہ ہی اس مسئلہ میں صریح ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

احناف کا موقف

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دم کے علاوہ دیگر دینی امور پر اجرت کے قائل نہیں تھے۔ چونکہ اس دور میں بیت المال موجود تھا اور دینی امور انجام دینے والوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے لیکن جب بیت المال کا سلسلہ ختم ہوگیا تو علماء احناف نے بھی اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کی اور وہ دینی امور پر اجرت کے قائل ہوگئے اور اس طرح اس مسئلہ پر گویا پوری امت کا اجماع ہوگیا چنانچہ احناف کے بہت بڑے وکیل امام قاضی خان الحنفی فرماتے ہیں کہ:

انما کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القرآن وکرہوا اخذ الاجر علی ذلک لانہ کان للمعلمین

عطیات فی بیت المال فی ذلک الزمان وکان لہم زیادۃ رغبۃ فی امر الدین واقامۃ الحسبۃ وفی زماننا انقطعت عطیاتہم وانتقصت رغائب الناس فی امر الاخرۃ فلو اشتغلوا بالتعلیم بالحاجۃ الیٰ مصالح المعاش لاختل معاشہم قلنا بصحۃ الاجارۃ ووجوب الاجرۃ للمعلم بحیث لو امتنع الوالد عن اعطاء الاجر حبس فیہ اھ۔ (فتاویٰ قاضی خان ۳/۳۴۴ طبع نولکشور لکھنؤ)

''بلا شبہ حضرات متقدمین نے تعلیم قرآن کریم پر کسی کو اجرت دے کر ملازم رکھنا مکروہ سمجھا ہے اور اس پر اجرت لینا بھی مکروہ قرار دیا ہے کیوں کہ اس زمانہ میں معلمین کے لئے بیت المال میں عطیات مقرر ہوتے تھے نیز امورِ دین اور للہ فی اللہ کام کرنے میں ان حضرات کی رغبت زیادہ تھی، اور ہمارے زمانہ میں عطیات بھی منقطع ہو چکے ہیں اور آخرت کے معاملے میں لوگوں کی رغبتیں بھی کم ہو چکی ہیں سو اگر ایسے لوگ ناداری کی حالت میں تعلیم کا شغل جاری رکھتے ہوئے روزی کمانے میں مصروف ہوئے تو ان کی کمائی میں سخت خلل پڑے گا۔ اس لئے ہم نے یہ کہا کہ یہ اجارہ صحیح ہے اور معلم کے لئے اجرت واجب ہے۔ اب اگر تعلیم پانے والے شاگرد کا والد (اور موجود اصطلاح میں مدرسہ، ادارہ اور مہتمم) معلم کو تنخواہ دینے سے گریز کرے تو اسے گرفتار کیا جائے گا۔''

علامہ ابن النجیم الحنفی (الملقلب بابی حنیفۃ الثانی) فرماتے ہیں:

اما علی المختار للفتوی فی زماننا فیجوز اخذ الاجر للامام والمؤذن والمعلم والمفتی اھ (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۴)

''بہر حال ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ امام اور مؤذن اور معلم اور مفتی کو اجرت لینا جائز ہے۔''

اور صاحب ہدایہ بھی یہی تصریح فرماتے ہیں کہ اب فتویٰ جواز پر ہے (ہدایہ ج ۴ ص ۱۵) اور اسی طرح علامہ بدرالدین العینی الحنفی صراحت فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵)

دوسری دلیل:

جناب سہل بن سعد الساعدی کی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ایک خاتون نے اپنے آپ کو نبی ﷺ سے نکاح کرنے کے لئے پیش کیا لیکن آپ کو اس کی خواہش نہ تھی۔ ایک صحابی نے نبی

ﷺ سے اس خاتون کے ساتھ نکاح کی درخواست پیش کی لیکن اس کے پاس مہر میں دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا بالآخر آپ نے اس سے پوچھا کہ اسے کچھ قرآن یاد ہے؟ آخر میں آپ نے فرمایا

۔

اذہب فقد انکحتکھا بما معک من القرآن

''جا میں نے اس خاتون کا نکاح تیرے ساتھ اس قرآن کے عوض کر دیا جو تیرے پاس ہے۔'' (اور جسے تو مہر کے عوض اسے سکھادے گا)

دوسری روایت میں ہے:

قد زوجتکہا بما معک من القرآن

ایک روایت میں ہے۔

وقد زوجنا کہا بما معک من القرآن

ایک اور روایت میں ہے۔

اذہب فقد ملکتکہا بما معک من القرآن

''جا میں نے تجھے اس خاتون کا مالک بنایا اس قرآن کے عوض جو تیرے پاس ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے۔

املکنا کہا بما معک من القرآن

اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں تیرہ مقامات پر ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اس حدیث سے کسی مسئلہ کا استخراج کیا ہے۔ ایک مقام پر امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب بھی قائم کیا ہے۔ باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق (قرآن کے عوض نکاح کرنا اور بغیر مہر کے) حافظ ابن حجر العسقلانی اس باب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' مطلب یہ ہے کہ تعلیم القرآن کے عوض اور بغیر ظاہری مال کے نکاح کرنا۔''

علامہ سندھی کہتے ہیں:

علی ما معک ای علی تعلیمہا

یعنی ''جو قرآن آپ کے پاس ہے اور جس کی آپ اسے تعلیم دیں گے''

اس روایت کی تخریج ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری حدیث نمبر ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق، ابوداؤد کتاب النکاح باب فی التزویج علی العمل یعمل، الترمذی کتاب النکاح باب فی مہور النساء النسائی کتاب النکاح باب ہبۃ المراۃ نفسہا بغیر صداق

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

ہذا حدیث حسن صحیح وقد ذہب الشافعی الی ہذا الحدیث فقال ان لم یکن لہ شیء یصدقہا فتزوجہا علی سورۃ من القرآن فالنکاح جائز، ویعلمہا سورۃ من القرآن فالنکاح جائز، ویعلمہا سورۃ من القرآن و قال بعض اہل العلم النکاح جائز ویجعل لہا صداق مثلہا وہو قول اہل الکوفہ واحمد واسحاق (سنن الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی مہور النسا)

''یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام شافعی اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ اگر مہر موجود نہ ہو تو قرآن کی کسی سورۃ کے بدلے خاتون کا نکاح ہوسکتا ہے پس یہ نکاح جائز ہے اور وہ شخص اس خاتون کو قرآن کی وہ سورۃ سکھائے گا اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ نکاح جائز ہے اور وہ شخص اس خاتون کو مہر مثل دے گا اور یہ قول اہل کوفہ اور امام احمد اور امام اسحاق کا ہے۔''

اس مسئلہ کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھایا جاسکتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ مالک اگر اپنی لونڈی کو غلامی سے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اور اس آزادی کو مہر قرار دے ڈالے تو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ ﷺ اعتق صفیۃ وجعل عتقہا صداقہا

''رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح کرلیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔'' (صحیح بخاری کتاب المغازی باب اتخاذ السراری، کتاب النکاح باب من اعتق جاریۃ ثم تزوجہا، صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاق الامۃ ثم یزوجہا، ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یعتق امۃ ثم یزوجہا، الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی الرجل یعتق الامۃ ثم یزوجہا، الدارمی کتاب النکاح مسند احمد ۳/ ۹۹، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۸۱، ۲۰۳، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۶، ۲۸۰، ۲۹۱)

لونڈی خود مال ہے اور اسے فروخت کر کے مال حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی آزادی کو اس حدیث میں مہر کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح تعلیم القرآن کو بھی مہر کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن پر اجرت جائز ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

حدیث انس حدیث حسن صحیح والعمل علی ہذا عند بعض اہل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرہم وہو قول الشافعی واحمد واسحاق وکرہ بعض اہل العلم ان یجعل عتقہا صداقہا حتی یجعل لہا مہرا سوی العتق والقول الاول اصح

''انس بن مالک کی حدیث صحیح ہے اور اس پر نبی ﷺ کے صحابہ کرام اور دیگر لوگوں میں بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم نے اسے ناپسند کیا ہے کہ عورت کا مہر اس کی آزادی کو قرار دیا جائے یہاں تک کہ اس عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے سوائے آزادی کے۔ لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔''

جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد جناب ثابت نے دریافت کیا۔

یا ابا حمزۃ ما اصدقہا؟ قال نفسہا اعتقہا وتزوجہا (صحیح بخاری ۴۷۱)

''اے ابوحمزہ (یہ انسؓ کی کنیت ہے) صفیہؓ کا مہر کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا ان کا نفس (جان) رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔''

ایک روایت میں ہے کہ ام سلیم کا مہر ابوطلحہؓ کا اسلام لانا قرار پایا۔

عن انس قال تزوج ابوطلحۃ ام سلیم فکان صداق ما بینہما الاسلام اسلمت ام سلیم قبل ابی طلحۃ فخطبہا فقالت انی قد اسلمت فان اسلمت نکحتک فاسلم فکان صداق ما بینہما (نسائی، کتاب النکاح باب التزویج علی الاسلام)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے ام سلیم سے نکاح کیا، ان کے درمیان ابوطلحہؓ کا اسلام لانا مہر قرار پایا۔ ام سلیمؓ، ابوطلحہؓ سے پہلے اسلام لے آئیں تھیں۔ جب ابوطلحہؓ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تم سے نکاح کرلوں گی۔ پس ابوطلحہؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ پس یہی ان کا مہر قرار پایا۔

عن انس قال خطب ابوطلحۃ ام سلیم فقالت واللہ ما مثلک یا ابا طلحۃ یرد ولکنک رجل کافر وانا امراۃ

مسلمة ولا تحل لی ان اتزوجک فان تسلم فذاک مہری ولا اسالک غیرہ فاسلم فکان : لک مہرہا (ایضا)

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ابوطلحہؓ تمہاری طرح کے آدمی کو رد نہیں کیا جاتا لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمہ اور میرے لئے جائز نہیں کہ تم سے نکاح کروں، ہاں اگر تم اسلام قبول کرلو تو یہی میرا مہر ہوگا اور اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہ طلب کروں گی۔ چنانچہ ابوطلحہؓ نے اسلام قبول کرلیا اور یہی ان کا مہر رہا۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابوطلحہؓ کی راہ میں غربت حائل نہ تھی البتہ ام سلیمؓ نے خود ہی ان کو اپنا مہر معاف کردیا تھا اور ان کے اسلام لانے ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔۔ معترض نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے پر مال و دولت لینا جائز ہوا یا مال و دولت کے عوض اسلام قبول کرنا مستحسن قرار پایا۔ (ص ۲۰)

اسلام قبول کرنے کی تو کوئی قیمت ہی نہیں لگائی جاسکتی اب یہ ام سلیمؓ پر ہی منحصر ہے کہ انہوں نے ابوطلحہؓ کو مہر کیوں معاف کردیا اور ان کے اسلام لانے پر کیوں راضی ہوگئیں؟ قرآن کریم میں ایک مقام پر آیا ہے:

والمؤلفة قلوبہم اس کا موصوف کیا مطلب لیں گے۔ اسلام کی طرف راغب کافر و مشرک یا نیا نیا اسلام قبول کرنے والوں کی اگر مالی اعانت کی جائے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان لوگوں نے مال و دولت کے لئے اسلام قبول کیا تھا؟ معترض جیسے لوگوں کو اپنی نیتوں کا علاج کرنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کی اپنی نیتوں میں فتور ہے اور اس کا الزام یہ دوسروں پر لگا رہے ہیں ایک دور وہ تھا کہ اسلام کے چاہنے والوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی اسلام کو سینہ سے لگائے رکھا اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ انہی صحابہ کرام نے اسلامی برکت سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو حاصل کیا۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے لوٹنے والوں کے متعلق معترض کیا فتویٰ لگائیں گے؟ دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ اگر اہل ایمان کو مالا مال کردے تو اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ کیا جہاد کے ذریعے جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے معترض اس کے بھی منکر ہیں؟

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نکاح میں اسلام کو بھی بطور مہر مقرر کیا جاسکتا ہے اور اسلام اسی طرح

مہر مقرر ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن کو نبی ﷺ نے مہر کے طور پر مقرر فرمایا۔اور قرآن گویا اس مال کا بدل ہے جو مہر میں مقرر کیا جاتا ہے اور چونکہ قرآن کے سکھانے میں محنت کرنی پڑتی ہے لہٰذا اس محنت کے عوض مال و دولت (تنخواہ) لی جاسکتی ہے۔اس کی ایک اور مثال جناب موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کا نکاح

موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جب ایک قبطی ہلاک ہوگیا تو آپ گرفتاری کے خوف سے مصر سے نکلے اور مدین جا پہنچے۔اور آخر کار شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی بیٹیاں موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کا مشاہدہ کر چکی تھیں۔لہٰذا ایک بیٹی کہنے لگی۔

قالت احداھما یاابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین O قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین O قال ذلک بینی وبینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علی مانقول وکیل (القصص:۲۷۔۲۸)

”ان میں سے ایک بولی ابا جان! اسے اپنا نوکر رکھ لیجئے بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں وہی ہوسکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔شعیب علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے اس شرط پر نکاح کردوں کہ تم میرے ہاں آٹھ برس ملازمت کرو اور اگر دس سال پورے کردو تو تمہاری مہربانی میں اس معاملے میں تم پر سختی نہیں چاہتا ان شاء اللہ تم مجھ کو ایک خوش معاملہ آدمی پاؤ گے۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی جونسی مدت بھی میں پوری کروں مجھ پر کچھ دباؤ نہ ہوگا اور جو کچھ ہم قول و قرار کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔“

اس بیان سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ وہ شعیب علیہ السلام کے ہاں آٹھ برس تک ملازمت کریں اور ان کی بکریاں چرائیں گے۔اور اگر وہ دس سال پورے کریں تو یہ انکا احسان ہوگا۔گویا موسیٰ علیہ السلام کا مہر شعیب علیہ السلام کے ہاں ملازمت کرنا قرار پایا۔یہ واقعہ اوپر نقل کردہ احادیث کی پوری طرح وضاحت اور تشریح کرتا ہے اور اس مسئلہ کی اس سے

زیادہ وضاحت ممکن نہیں ہے۔ البتہ جس نے نہ ماننا ہوتو ''میں نہ مانوں'' کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

بعض اعتراضات اوران کے جوابات

عذاب قبر کے منکرین نے ابو سعید الخدریؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں اوران احادیث کے جواب دینے کی سعی وکوشش کی ہے اور مختلف قسم کی تاویلات پیش کر کے ان احادیث کا مفہوم بدلنے کے لئے پورا زور لگایا ہے چنانچہ ان کے اعتراضات کو پیش کرکے ان کے جوابات بھی پیش کئے جاتے ہیں تا کہ یہ مسئلہ بالکل واضح اور بے غبار ہو جائے۔

پہلا اعتراض:

ڈاکٹر عثمانی لکھتے ہیں۔: یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا اور اس خاص موقع پر صحابہ کرام نے ان قبیلہ والوں سے اجرت کا معاملہ صرف ان کی بے مروتی سے ناراض ہونے کی وجہ سے کیا تھا (تعویزات اور شرک ص ۱۴)

ڈاکٹر موصوف کا ایک مقلد خاص لکھتا ہے۔

حدیث بالا صاف بتا رہی ہے کہ یہ دینی امور پر اجرت لینے کا معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کا استدلال کرنے والے محض حماقت وجہالت کا شکار ہیں دراصل مال وزر کی ہوس میں دین اور دینداری سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ دین سے ان کا تعلق محض پیشہ ورانہ ہی رہ گیا ہے ابو سعید خدری کی حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک خاص الخاص واقعہ ہے اس زمانے میں جب ہوٹل اور ریستوران کا رواج نہیں تھا اور قبیلہ والوں نے ضابطۂ اخلاق اور معروف رواج کے برعکس ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تو اس صورتحال میں اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ان سے حق ضیافت کسی بھی طرح وصول کر لیا جاتا یہ تو اضطراری حالات کا تقاضہ تھا اور حالت اضطرار میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔

حق ضیافت وصول کر لینے سے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ فرمالیجیئے۔

عن عقبة بن عامر انہ قال قلنا یا رسول اللہ انک تبعثنا فنترل بقوم فلا یقرونا فما تری فقال لنا رسول

اللہ ﷺ ان نزلتم بقوم فامروا لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منہم حق الضیف الذی ینبغی لہم (بخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف و مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)
عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمیں بھیجتے ہیں اور راستے میں ہم بعض قبیلوں کے یہاں پڑاؤ کرتے ہیں لیکن وہ ہماری میزبانی نہیں کرتے آپ بتائیے اس صورتحال میں ہم کیا کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی قوم کے یہاں پڑاؤ کرو اور وہ تمہاری مہمان نوازی کریں جو مہمان کے لئے مناسب ہوتی ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق وصول کرلو جوان پر لازم ہے۔
کیا فن دینداری کے ان ماہرین نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا؟ موسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک بستی میں پہنچے اس بستی کے لوگوں نے کہنے کے باوجود ان کے کھانے کے اہتمام نہ کیا۔ خضر علیہ السلام نے جب ان کی ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی، سیدھا کردیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ان سے کہا کہ:
لوشئت لا تخذت علیہ اجرا (الکھف:۷۷)
''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت طلب کر لیتے۔''
اللہ کے برگزیدہ رسول علیہ السلام تو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی میں خود ایک نمونہ ہوتے ہیں اور معمولی فروگذاشت پر انتقامی جذبہ ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔ لیکن اس دور میں جبکہ ہوٹلوں وغیرہ کا وجود نہ تھا مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کرنا ایک بڑی حق تلفی اور عظیم معاشرتی جرم تصور کیا جاتا تھا، اسی لئے اضطراری حالت میں اپنا حق لینے کے جذبے سے ہی درج بالا الفاظ موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر آئے۔ (دین داری یا دکان داری ص ۱۴)
الجواب: یہ بات اس حد تک درست ہے کہ صحابہ کرام نے قبیلہ والوں کی بے مروتی کی وجہ سے ان سے دم پر اجرت لی تھی لیکن اجرت لینے کے بعد صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ دم پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہ کرام (میں سے بعض) نے اس اجرت کو لینا پسند نہیں کیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب اجرت لینے کی زیادہ مستحق ہے (بخاری

)اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قد اصبتم (تم نے بالکل درست کام کیا ہے)(بخاری ومسلم)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے احسنتم (تم نے اچھا کیا) نبی ﷺ کے یہ فرامین تمام عثمانی تاویلات کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دینے کے لئے بہت ہی کافی وشافی ہیں اور اس دلیل سے واضح ہوگیا ہے کہ اللہ کی کتاب پر اجرت بالکل جائز ہے اور اجرت کا مال بالکل پاک وطیب ہے۔جس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ ڈاکٹر موصوف نے صحیح بخاری کی اس واضح حدیث کو اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے الفاظ قد اصبتم کو نقل تک نہیں کیا کیوں کہ اس طرح ان کے قائم کردہ فلسفہ کا پول کھل جاتا۔ڈاکٹر موصوف کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ احادیث نقل کرنے میں خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔عذاب قبر کی وہ احادیث جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہیں ان کا اہم حصہ وہ نقل تک نہیں کرتے ملاحظہ فرمائیے ان کا کتابچہ "عذابِ برزخ"

دین اسلام کے بہت سے مسائل کسی واقعہ کے تحت ہی وجود میں آئے۔قرآن کریم کی بعض سورتیں یا آیات کسی خاص پس منظر میں نازل ہوئیں لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ ان آیات کا فلاں واقعہ کے ساتھ تعلق ہے لہٰذا انہیں انہی واقعات کے ساتھ ہی مخصوص سمجھا جائے بلکہ خاص واقعات کے تحت نازل ہونے والی آیات میں جو احکامات نازل کئے گئے وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے مشعل راہ ہیں اور دین اسلام کے اوامر ونواہی کے بہت سے احکامات ان ہی واقعات سے حاصل ہوتے ہیں۔اسی طرح اس واقعہ کو چاہے خاص واقعہ ہی تسلیم کرلیا جائے (جبکہ یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے) لیکن اس واقعہ کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک عام حکم صادر فرمادیا اور یہ اہل ایمان کے لئے قیامت تک کے لئے ایک قانون کی شکل اختیار کرگیا۔اس سلسلے میں دو صحیح احادیث سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

اولاً: نبی ﷺ نے صحابہ کرام کے دم کرنے اور اس پر بکریاں وصول کرنے اور تیس بکریوں کی شرط لگانے وغیرہ کو درست قرار دیا اور ان الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام کے اس عمل کی تائید کی۔قد اصبتم (تم نے بالکل درست کام کیا اور احسنتم (تم نے اچھا کیا) بلکہ صحابہ کرام کے اس عمل سے آپ اس قدر راضی ہوئے کہ آپ ہنس پڑے اور فرمایا: وما ادراک انہا رقیہ؟ (تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ

فاتحہ ایک دم ہے)
ثانیاً: دوسری روایت میں اس سے بھی زیادہ وضاحت موجود ہے جب صحابہ کرام میں سے بعض نے یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:
ان احق مااخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ (جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں کتاب اللہ اجرت کی زیادہ مستحق ہے) ڈاکٹر موصوف نے اوپر والی روایت صحیح بخاری کے جس صفحہ سے نقل کی ہے یہ روایت بھی اسی صفحہ پر موجود ہے لیکن تعصب اور ضد کا برا ہو کہ انسان اپنے نظریہ کی وجہ سے احادیث صحیحہ کو بھی جھٹلا دیتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس حدیث کا ذکر تک نہیں کیا کیوں کہ اس روایت سے موصوف کی تمام تاویلات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس روایت میں ایک عام قانون بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی کتاب پر اجرت وصول کی جاسکتی ہے۔ چاہے تعلیم قرآن و حدیث ہو اور چاہے دم کا معاملہ ہو بہر حال ان تمام امور پر اجرت وصول کی جاسکتی ہے۔ ان دونوں احادیث سے اس کے علاوہ کچھ ثابت نہیں ہوتا۔
رہا یہ دعوٰی کہ صحابہ کرام نے دراصل ان قبیلہ والوں سے حق ضیافت وصول کیا تھا تو یہ نرا دعوٰی ہی ہے اور اس کی کوئی دلیل ان روایات میں موجود نہیں۔ البتہ قبیلہ والوں نے صحابہ کرام کی ضیافت سے انکار کر دیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ فرمائیں کہ اسی موقع پر ان کے سردار کو ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ اور جب قبیلہ والے اس کے علاج سے عاجز آگئے تو پھر وہ صحابہ کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام نے دم کرنے سے پہلے ان سے اجرت طے کر لی اب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صحابہ کرام نے یہ بکریاں ان سے ضیافت کے طور پر وصول کی تھیں تو نبی ﷺ کی خدمت میں جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس طرز عمل کی تائید فرمائی۔ اور اس طرح دم پر اور کتاب اللہ پر اجرت کا ایک دائمی قانون آپ نے بیان فرما دیا۔
اب صحابہ کرام کے اس سفر میں عدم ضیافت کی بات بیان کی جائے لیکن اس واقعہ کے اختتام پر جو قانون بیان ہوا موصوف اسے بھی نگاہ میں رکھیں۔ اس قانون کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے بلکہ یہ شیوہ منکرین حدیث کا ہے۔
صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے ان قبیلہ والوں نے صحابہ کرام کی دودھ سے تواضع فرمائی جس

سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبیلہ والوں کو جب بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے دودھ سے صحابہ کرام کی خاطر مدارت کی اور حق ضیافت کو ادا کیا۔

اور اس وضاحت سے وہ تمام مفروضے غلط ثابت ہو جاتے ہیں کہ جنہیں موصوف نے فلسفیانہ انداز میں خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

موصوف نے بھی اپنے استاد ڈاکٹر موصوف کی طرح ابو سعید خدریؓ کی روایت جس میں یہ الفاظ قد اصبتم یا احسنتم کو نقل کرنا گوارہ نہیں کیا کیونکہ اس طرح ان کے بنے ہوئے تانے بانے اور تاویلات کا سلسلہ ان الفاظ کے ذکر کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ موصوف نے اگرچہ ابو سعید الخدریؓ اور ابن عباسؓ کی روایت کے جوابات دینے کے لئے کئی پینترے بدلے ہیں لیکن اس ساری بحث میں ان الفاظ قد اصبتم ،احسنتم کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس عثمانی مقلد کو جس نے خود جہالت اور تقلید کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے اور جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے لیکن اسے دوسرے تمام علماء اور محدثین جاہل نظر آرہے ہیں ۔انگریزی کی درسگاہوں میں انگریزی اور جدید تعلیم کے حصول کے لئے زندگیاں وقف کر دینے والے یہ ''بابو'' دینی علوم اور عربی علوم سے بالکل نابلد ہوتے ہیں لیکن اس جہالت کے باوجود بھی دوسرے علماء اور محدثین اس کی نگاہ میں جاہل اور بے علم ہیں ۔ان احادیث کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے اور جہالت کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کا استدلال کرنے والے محض حماقت و جہالت کا شکار ہیں۔ دراصل مال و زر کی ہوس میں دین اور دینداری سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ دین سے ان کا تعلق محض پیشہ ورانہ ہی رہ گیا۔'' ...... یہ ہرزہ سرائی کوئی دینی خدمت نہیں محض دکانداری کے کھلے دروازے کو کھلا رکھنے کی ناروا اور احمقانہ کوشش ہے ......تو پھر ان تمام چیزوں پر اس سے دلیل لانا احمقانہ کوشش ہے ۔'' وغیرہ

موصوف کے نزدیک انگریزوں اور ان کے پٹھو حکمرانوں کے دفاتر میں زندگیاں وقف کر دینے والے اور دنیاوی علوم سکھانے والوں کی تنخواہیں بالکل درست اور حلال وطیب ہیں جبکہ دینی علوم کی تعلیم دینے اور قرآن وحدیث سکھانے والوں کی تنخواہیں اور وظیفے ناجائز اور حرام ہیں ۔اور یہ فتوٰی

بازی انگریزوں اور یہود و نصاریٰ کے پٹھو اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کے فتوؤں سے عاجز آکر علماء کرام یہ دینی درسگاہیں بند کردیں اور قرآن و حدیث کی تعلیم کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ جب علماء قرآن و حدیث کے دروس چھوڑ کر دنیا کی طرف راغب ہوجائیں گے اور دین کی تعلیم دینے والا کوئی باقی نہ رہے گا تو اس طرح دنیا سے قرآن و حدیث کے علوم کے سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ یکسر ختم ہوجائے گا اور یہود و نصاریٰ یہی کچھ چاہتے ہیں جبکہ قرآن و حدیث کی تعلیم ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور اس کے سکھانے والے اجر عظیم کے مستحق ہیں اور جن حضرات کے پاس دنیاوی وسائل موجود ہوں اور وہ صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دینی علوم کی تعلیم دیں تو ان کے کیا کہنے البتہ جن کے پاس یہ وسائل موجود نہ ہوں تو اسلام ایسے مخلص علماء کرام کو بھوکا پیاسا مارنا نہیں چاہتا بلکہ ایسے علماء کی کفالت اسلامی حکومت کا کام ہے کہ وہ ایسے علماء کرام بلکہ ایسے تمام دینی اداروں کی بھی کفالت کریں اور ماضی میں یہ کام اسلامی حکومتیں ہی کرتی رہی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان علماء کرام کو بھی بھرپور وظائف دیئے جائیں تاکہ وہ معاش کے مسائل سے بے فکر ہوکر صرف دین کی محنت میں لگے رہیں اور اس طرح قرآن و حدیث کے علوم کے یہ چشمے جاری و ساری رہیں۔

اور یہ وظائف ان تنخواہوں سے بہتر ہیں کہ جو دفتروں اور دنیاوی اداروں میں پوری زندگی کھپا دینے سے حاصل ہوتی ہیں مال و دولت کے یہ رسیا صرف دنیاوی دولت و دنیا کی چمک دمک کو حاصل کرنے کے لئے ساری زندگی غیر کی غلامی میں گزار دیتے ہیں جب کہ دینی خدمات انجام دینے والے معمولی وظیفہ حاصل کرکے اور اس پر گزر بسر کرکے دین کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے جاتے ہیں۔ دنیا کے حریص تو بسا اوقات کروڑوں اور کھربوں کے گھپلے کرکے اور فراڈ اور دھوکا کے ذریعے اپنے گھروں کو مال و دولت سے بھر لیتے ہیں جب کہ علماء اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے کتاب و سنت کے وارثین کو دنیا کی طرف جانے کے بجائے قرآن و حدیث کی خدمت پر مامور کردیا تاکہ یہ دین کی تعلیم بھی دیں اور کتاب اللہ سے ان کے معاش کا بھی انتظام ہوجائے۔ اسی لئے فرمایا: ''اللہ کی کتاب اس کی زیادہ حق دار ہے کہ اس پر اجرت حاصل کی جائے۔'' اگر قرآن و حدیث کی تعلیم سے بے رغبتی اختیار کی گئی اور دنیا کے

حصول کو مقصد بنا لیا گیا تو پھر دنیا میں جہالت عام ہو جائے گی اور جب قرآن و حدیث کا علم علماء کرام کے اٹھ جانے سے ختم ہو جائے گا تو پھر قیامت انتہائی قریب ہو جائے گی۔ جناب انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویثبت الجہل ویشرب الخمر ویظہر الزنا

''بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ (دین کا) علم اٹھ جائے گا اور جہالت قائم ہو جائے گی اور شراب (کثرت سے) پی جائے گی اور زنا کھلم کھلا (اعلانیہ) ہوگا۔''

(صحیح بخاری کتاب العلم باب رفع العلم وظہور الجہل ۸۰، ۸۱، ۵۲۳۱، ۵۵۷۷، ۶۸۰۸ صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر الزماں مسند احمد ۳/۱۷۶، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۷۳، مشکاۃ ۵۴۳۷)

دوسری روایت میں ہے:

من اشراط الساعۃ ان یقل العلم ویظہر الجہل (علم کم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی)۔ (بخاری ۸۱)

اس باب کے تحت امام بخاری نے امام ربیعہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا ینبغی لاحد عندہ شیء من العلم ان یضیع نفسہ

''(جس شخص کو (دین کا) تھوڑا سا بھی علم ہو وہ اپنے تئیں بے کار نہ کر دے) یعنی اس علم کو لوگوں کو سکھا دے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم ۱۰۰، ۷۳۰۷) صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم ترمذی ۲۶۵۲، ابن ماجہ ۹، مسند احمد ۲/۱۶۲، ۱۹۰ مشکوٰۃ ج ۲۰۶)

''اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دل و دماغ سے اس کو

نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء (حق) کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا و مقتداء بنالیں گے اور ان سے دین کی باتیں پوچھیں گے اور وہ لوگ علم کے بغیر فتوی دیں گے۔ (یعنی قرآن و حدیث کے بجائے لوگوں سے اپنی آراء اور خیال کو بیان کریں گے) اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

لہٰذا علم کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ دینی اداروں کو تحفظ فراہم کیا جائے اور جاہل اور گمراہ مفتیوں سے بچا جائے۔ اور ان سے دور رہا جائے۔ علماء حق کو معاشرے میں اہم مقام دیا جائے اور ان کی عزت و احترام کو لازم قرار دیا جائے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ قرآن پر نکاح والی حدیث کا ذکر کرنے کے بعد عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

رواہ البخاری فی الصحیح عن سیدان عن یوسف وہو عام فی جواز اخذ الاجرۃ علی کتاب اللہ تعالیٰ بالتعلیم وغیرہ۔ واذا جاز اخذ الاجرۃ علیہ جاز ان یکون مہرا (معرفۃ السنن والآثار (۵/۳۸۱)

''امام بخاری نے اس حدیث کو سیدان عن یوسف کی سند سے ذکر کیا اور یہ حدیث کتاب اللہ کی تعلیم وغیرہ پر اجرت کے جواز کے لئے عام ہے اور جب کتاب اللہ پر اجرت جائز ہے تو جائز ہے کہ وہ مہر کا بدل بن سکے۔ (یعنی تعلیم قرآن کو مہر کا بدل قرار دیا جا سکتا ہے)۔''

جہاں تک عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے جس میں حق ضیف وصول کرنے کا ذکر ہے تو یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ امام بخاری نے کتاب الادب باب اکرام الضیف میں اس حدیث کو وارد کیا ہے۔ اگر اس مسئلہ کا کچھ بھی تعلق ان احادیث کے ساتھ ہوتا تو امام بخاری وہاں بھی اس حدیث کو وارد کر دیتے جیسا کہ امام صاحب کی عادت ہے اور وہ ایک حدیث سے کئی مسائل اخذ کرتے ہیں اس باب میں امام بخاری نے ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کا واقعہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں آیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے ان کی خاطر مدارت کی تھی اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث بھی ذکر ہے جس میں یہ بھی ہے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔''

حافظ ابن حجر العسقلانی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقال الجمهور: الضیافۃ سنۃ موکدۃ واجابوا عن حدیث الباب باجوبہ احدہا حملہ علی المضطرین ثم اختلفوا ہل یلزم المضطر العوض ام لا؟ وقد تقدم بیانہ فی اواخر ابواب اللقطۃ واشار الترمذی الی انہ محمول علی من طلب الشراء محتاجا فامتنع صاحب الطعام فلہ ان یاخذہ منہ کرہا قال وروی نحو ذلک فی بعض الحدیث مفسرا (فتح الباری ۱۰۸/۵، کتاب المظالم باب قصاص المظلوم)

''اور جمہور کہتے ہیں کہ ضیافت سنت موکدہ ہے اور اس حدیث کے انہوں نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مضطر پر محمول ہے پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا مضطر کو عوض لازم آتا ہے یا نہیں اور اس کی تفصیل ہم نے ابواب اللقطہ کے آخر میں بیان کردی ہے اور امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے کہ یہ اس شخص پر محمول ہے کہ جو ضرورت کے وقت کھانا خریدنا چاہے اور کھانے والا اسے نہ دے تو طاقت کے ذریعے اس سے کھانا حاصل کرلینا جائز ہے اور یہ مضمون بعض احادیث میں تفصیل سے آچکا ہے۔

حافظ صاحب اس حدیث کے بہت سے جوابات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

واقوی الاجوبۃ الاول واستدل بہ علی مسالۃ الظفر وبہا قال الشافعی الخ (۱۰۹/۵)

''اور تمام جوابات سے قوی تر جواب پہلا ہے (اور جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے) اور اس کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے ناخن کے مسئلہ پر اور یہی قول امام شافعی کا ہے۔الخ''

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اضطراری کیفیت سے ہے، عام حالات میں اگر قبیلہ والے میزبانی کریں تو درست ہے ورنہ ان سے کوئی زبردستی نہیں۔لیکن اگر بھوک کی وجہ سے اضطراری حالت پیدا ہو جائے تو ایسے حالات میں حرام کے کھانے کا بھی جواز موجود ہے لہٰذا ایسی صورت میں ان سے زبردستی کی جائے گی۔عام حالات میں جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام نے بھی جب بستی والوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی میزبانی سے انکار کردیا لیکن انہوں نے ان بستی والوں پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ ان پر ایک احسان بھی کردیا اور یتیم بچوں کے گھر کی دیوار کو درست کردیا۔موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر آپ چاہتے تو اس دیوار کے بنانے پر اجرت لے لیتے۔لیکن خضر علیہ السلام نے ان سے اجرت نہیں لی۔کیوں کہ وہ بچے یتیم تھے اور ان کے والد صالح تھے۔(دیکھئے سورۃ الکھف آیت ۷۷)

ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ قبیلہ والوں نے ان کی ضیافت سے انکار کردیا تھا اگر ان لوگوں کو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کا علم ہوتا تو یقیناً ان سے زبردستی اپنا حق ضیافت وصول کرتے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ حکم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعد میں معلوم ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم تو موجود ہو لیکن ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کے متعلق معلومات نہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت والا حکم منسوخ ہو گیا ہو کیوں کہ صحابہ کرام کی جب انہوں نے ضیافت نہ کی تو وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے اور پھر دم والا واقعہ پیش آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دم پر اجرت بھی وصول کی۔ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان اعمال کے متعلق فرمایا: قد اصبتم (تم نے بالکل درست کیا)۔

اس واقعہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ان سے زبردستی ضیافت حاصل نہ کرنے کی بھی تائید ہوتی ہے۔ جس سے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مسنوخ ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق اضطراری صورت حال سے ہے جیسا کہ حافظ صاحب نے اس بات کا ذکر کیا ہے اور جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور یہی بات موصوف نے بھی تسلیم کی ہے۔

دوسرا اعتراض

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں۔

''دوسری بات یہ ہے کہ یہ ٹھیٹھ اجرت کا معاملہ ہے بھی نہیں کیوں کہ اگر یہ بھیڑیں اجرت میں دی گئی تھیں تو یہ صرف ''دم'' کرنے والے کی اجرت تھی۔ ان کا تقسیم کیا جانا اور نبی ﷺ کا اپنا حصہ نکالنے کے لئے کہنا اجرت کے معاملے میں تو بہر حال نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس روایت سے اجرت کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے۔ دراصل نبی ﷺ کا ارشاد صحابہ کی تالیف قلب کے لئے تھا۔ الخ (تعویذات اور شرک ص۱۴)

ڈاکٹر موصوف کے مقلد خاص بھی اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں:

''دوسری بات یہ ہے کہ یہ دینی امور پر اجرت کا معاملہ تھا ہی نہیں۔ اجرت تو خدمت انجام دینے والے کا حق ہوتی ہے جبکہ اس واقعہ میں تو ''راق'' (دم کرنے والے) نے دم کیا مگر اس کے صلے میں ملنے والے بھیڑوں یا بکریوں کے ریوڑ کو قافلے کے تمام لوگوں میں تقسیم کیا گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی ﷺ نے اس پر اپنا حصہ بھی لگانے کو کہا حالانکہ آپؐ وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ صحابہ کرام نے مدینہ واپس آکر آپ ﷺ سے اس معاملے کا ذکر کیا تو اس وقت آپؐ نے اس میں اپنا حصہ لگانے کو کہا تھا۔ بھلا کیا اجیر کی اجرت بھی تقسیم ہوا کرتی ہے؟'' الخ (دینداری یا دکانداری ص ۱۵)

الجواب: نبی ﷺ سے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ومایدریک انہارقیۃ؟ ثم قال قد اصبتم اقسمواواضربوامعکم سہافضحک رسول اللہ ﷺ (صحیح بخاری)

''یہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ بھی ایک ''دم'' ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا ہے۔ اسے تقسیم کرلو اور اس میں ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔ یہ فرما کر آپ ہنس پڑے۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

فضحک وقال ماادراک انہارقیۃ خذوہاواضربوالی بسہم وفی رولیۃ اقسمواواضربوالی معکم بسہم

''(پس نبی ﷺ یہ واقعہ سن کر) ہنس پڑے اور فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ ایک دم ہے۔ اسے تقسیم کرو اور اس میں میرا بھی حصہ لگاؤ۔''

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس فعل پر آپ کو تعجب ہوا۔ اس لئے آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ بھی ایک دم ہے؟ اور دم پر جو اجرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے لی تھی آخر آپ نے فرمایا کہ تم نے بالکل درست کیا لہٰذا اسے تم آپس میں تقسیم کرلو اور اس میں ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ دم پر اجرت کا معاملہ تھا۔ جس کی تصدیق بھی نبی ﷺ نے فرمائی اور اس پر خوشی اور تعجب کا اظہار بھی فرمایا۔ رہا یہ اعتراض کہ اگر یہ اجرت تھی تو اسے تقسیم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا اور اس میں

نبی ﷺ نے اپنا حصہ کیوں لگایا؟ تو یہ اعتراض تو نبی ﷺ پر ہوتا ہے لہٰذا معترض کو نبی ﷺ پر یہ اعتراض کرنا چاہئے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نبی ﷺ کا حکم تھا لہٰذا صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔

امام نووی فرماتے ہیں:

فہذہ القسمۃ من باب المروات والتبرعات ومواساۃ الاصحاب والرفاق والافجمیع الشیاہ ملک للراقی مختصۃ بہ لاحق للباقین فیہا عند التنازع فقاسمہم تبرعا وجودا ومرواۃ واما قولہ ﷺ واضربوا لی بسہم فانما قالہ تطیبا لقلوبہم ومبالغۃ فی تعرفہم انہ حلال لاشبہۃ فیہ وقد فعل ﷺ فی حدیث العنبر وفی حدیث ابی قتادۃ فی حمار الوحش مثلہ (شرح صحیح مسلم ۲/۲۲۴)

''اور یہ تقسیم باب مروات (مروت والا ہونا)، تبرعات (بنظر ثواب اپنی خوشی سے کوئی کام کرنا) مواسات الاصحاب (اپنے مال سے ساتھیوں کی مدد کرنا) رفاق (ساتھ دینا) میں سے ہے رہا یہ کہ تمام مال دم کرنے والے کی ملکیت تھا یعنی مال کا مالک دم کرنے والا تھا اور یہ مال اسی کے لئے مختص تھا اور اختلاف کے وقت باقی ساتھیوں کے لئے بعد میں تھا۔ پس آپ نے نیکی کے خیال سے یا مروت کی وجہ سے اسے دوسرے صحابہ میں بھی تقسیم فرما دیا۔ اور نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ ''اس میں میرا بھی حصہ لگاؤ'' صحابہ کرام کے دلوں کو پاک و صاف کرنے کے لئے تھا اور اس مال کی تعریف میں مبالغہ کے لئے تھے کہ بلاشبہ یہ مال حلال ہے۔

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عنبر (مچھلی) کے سلسلے میں کیا تھا (جب صحابہ کرام اس کا گوشت لے کر آئے تو آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا بخاری ۴۳۶۲) اور حمار وحش (نیل گائے) کے سلسلے میں کیا تھا۔ (جب نبی ﷺ، صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے (جنہوں نے عمرہ کا احرام نہیں باندھا تھا) نیل گائے شکار کی تھی۔ نبی ﷺ نے اس گوشت میں سے نوش فرمایا)۔ (بخاری ح ۱۸۲۱)

اس سفر میں صحابہ کرام کی ایک جماعت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور یہ تمام صحابہ کرام ایک ہی مشن پر نکلے تھے اور وہ ان کے معاون و مددگار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس مال میں شریک فرمایا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ بعض

صحابہ کرام کو اس مال کے حلال ہونے میں تردد تھا اور ان کا اعتراض یہ تھا کہ کتاب اللہ پر اجرت لی گئی ہے اور جب یہ مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے اس عمل کو درست قرار دیا۔ بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ ''اللہ کی کتاب اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔'' اور پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس مال کو تقسیم کیا گیا تھا کہ انہیں اس کے حلال وطیب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ علاوہ ازیں غربت اور قلت مال کی وجہ سے ممکن ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں ناراضگی اور بدگمانی پیدا ہو جاتی لہٰذا آپ نے انہیں اس مال میں شریک فرما دیا۔ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر بعض دفعہ نبی ﷺ اصل حقداروں کو محروم فرما دیتے اور جن لوگوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہوتا آپ ان کو اچھی طرح نوازتے اور اس تقسیم سے ایک دفعہ صحابہ کرام میں بھی غلط فہمی پھیل گئی اور جسے نبی ﷺ نے اپنے خطبے کے ذریعے دور فرمایا۔ ورنہ تو منافقین نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا گیا۔

بہر حال کوئی توجیہہ بھی کی جائے نبی ﷺ نے کسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی یہ حکم دیا کہ اس مال کو ان صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا جائے اور نبی ﷺ کا اس مال سے حصہ لینا اس لئے تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس مال کے پاک وطیب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ اور جیسا کہ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے نبی ﷺ اگرچہ اس موقع پر صحابہ کرام کے ساتھ موجود نہ تھے لیکن معترضین کو اتنی سمجھ بھی نہیں ہے کہ آپؐ ایک عام انسان نہیں بلکہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ اور آپ کا عمل امت مسلمہ کے لئے قیامت تک کے لئے حجت ودلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس مال میں اپنا حصہ بھی لیا تا کہ اس مال کے حلال وطیب ہونے میں کسی کو شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اگر یہ مال انہوں نے حق ضیف کے سلسلے میں حاصل کیا ہوتا جیسا کہ معترض یہ باور کرانا چاہتا ہے تو پھر تو واقعی نبی ﷺ کا اس میں اپنا حصہ لگانا درست نہ ہوتا۔ لیکن یہ مال کتاب اللہ پر اجرت کے طور پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے بھی اس میں اپنا حصہ لگایا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر بکریوں کا یہ ریوڑ حق ضیافت کے طور پر انہیں حاصل ہوا تھا تو اس کے حلال ہونے پر صحابہ کرام کو کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ انہیں شک وشبہ تو اس وقت ہوا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ کتاب اللہ پر اجرت حاصل کی گئی ہے۔ چنانچہ جب یہ مقدمہ نبی ﷺ کی

خدمت میں پیش ہوا اور آپ کو بتایا گیا کہ کتاب اللہ پر اجرت حاصل کی گئی ہے تو آپ نے نہ صرف اس عمل کو درست قرار دیا بلکہ فرمایا کہ اللہ کی کتاب اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس پر اجرت لی جائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حق ضیافت دودھ کی صورت میں پہلے ہی وصول کرلیا تھا (مسلم) اس لئے بکریوں کے ریوڑ کو حق ضیافت قرار دینا جہالت اور حدیث سے ناواقفیت کی علامت ہے اور اسے جہالت کے علاوہ اور نام بھی کیا دیا جاسکتا ہے؟؟

تیسری دلیل:

عن خارجۃ بن الصلت عن عمہ قال اقبلنا من عند رسول اللہ ﷺ فاتینا علی حی من العرب فقالوا انا انبئنا انکم قد جئتم من عند ہذا الرجل بخیر فہل عندکم من دواء اور قیۃ فان عندنا معتوہ فی القیود فقلنا نعم قال فجاء وا بمعتوہ فی القیود فقرات علیہ بفاتحۃ الکتاب ثلثۃ ایام غدوۃ وعشیۃ کلما ختمتہا اجمع بزاقی ثم اتفل قال فکانما انشط من عقال فاعطونی جعلا فقلت لا حتی اسال النبی ﷺ فقال کل فلعمری من اکل برقیۃ باطل لقد اکلت برقیۃ حق (ابو داؤد ح ۳۸۹۶، ۳۹۰۱ کتاب البیوع باب فی کسب الاطباء، مستدرک الحاکم ۱/۵۶۰، ابن سنی (۲۱۴) دلائل النبوۃ للبیہقی (۷/۹۲)، مسند احمد (۵/۲۱۱) مشکوۃ المصابیح (۲۹۸۶) الفتح الربانی (۷/۱۸۴) وقال الحاکم ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی

"خارجہ بن صلت رحمہ اللہ اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوکر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے رات میں ہمارا گزر عرب کے ایک قبیلے میں ہوا ان لوگوں نے ہم سے کہا کہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ تم اس شخص یعنی نبی ﷺ کے پاس سے بھلائی (یعنی قرآن) لے کر آئے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا منتر ہے؟ ہمارے یہاں ایک دیوانہ بیڑیوں میں جکڑا پڑا ہے اس کا علاج کرو ہم نے کہا ہاں۔ وہ اپنے دیوانے کو لے کر آئے جو زنجیروں میں بندھا ہوا تھا میں نے اس پر تین دن تک صبح وشام سورۃ فاتحہ پڑھی اور جب میں اسے ختم کرتا تو اس طرح کہ اپنا تھوک (منہ میں) جمع کرتا اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر تھوک دیتا (تیسرے دن) وہ اچھا ہوگیا۔ مجھ کو انہوں نے اس کی اجرت دی۔ میں نے کہا جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں (تو اس وقت تک اجرت نہ لوں گا۔) آپ ﷺ سے دریافت کرنے پر فرمایا:

کھاؤ! قسم ہے اپنی عمر کی جو جھوٹے منتروں کے ذریعہ کھاتا ہے وہ برا کرتا ہے تو نے تو حق اور سچے منتر کے ذریعے کھایا ہے۔"

اس روایت میں ایک روای خارجہ بن الصلت البرجمی الکوفی ہے، حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تقریب میں مقبول کہا ہے۔ (۱/۲۵۴ رقم ۱۶۱۵) اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محلہ الصدق (وہ سچائی کا مقام رکھتے ہیں (الکاشف ۱/۲۲۲ رقم ۱۳۰۹)

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:

ذکرہ ابن حبان فی الثقات قلت وقد قال ابن ابی خیثمۃ اذا روی الشعبی عن رجل وسماہ فھو ثقۃ یحتج بحدیثہ (تہذیب التہذیب ۳/۷۵،۷۶)

"امام ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام ابن ابی خثیمۃ فرماتے ہیں کہ جب امام الشعبی کسی شخص سے روایت کریں اور اس کا نام ذکر کریں پس وہ شخص ثقہ ہوگا اور اس کی حدیث سے احتجاج کیا جائے گا۔"

اس حدیث کے راوی امام شعبی ہیں اور امام شعبی اس حدیث کو خارجہ بن ا لصلت سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام ذکر کرتے ہیں لہٰذا اس اصول کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مقام مقبول حدیث سے بلند ہے اور اگر عام اصول کے مطابق ان کو مقبول راوی بھی تسلیم کر لیا جائے تو عند المتابع مقبول کی روایت صحیح ہوتی ہے اور یہ حدیث ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کی زبردست متابع ہے۔ اور امام حاکم اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ خارجہ بن الصلت تک اس روایت کی سند بالکل صحیح اور متصل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دم پر اجرت جائز ہے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جائز اور حق دموں پر اجرت لینا درست ہے، ممانعت اس اجرت کی ہے کہ جو ناحق اور غلط قسم کے دموں پر وصول کی جائے جیسے بعض لوگ الٹے سیدھے انتر منتر پڑھ کر لوگوں سے مال بٹورتے ہیں۔ لہٰذا صحیح اور غلط کو ایک کر دینا، حق اور ناحق کو آپس میں ملا دینا درست نہیں ہے۔ جو چیز صحیح ہے

اوراس پر اسلام نے اجرت کی اجازت دی ہے لہٰذا کسی شخص کے کہنے سے اسے ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔اورمزید براں اس حدیث کی تائید جناب قیس بن ابی حازمؒ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حدثنا ابو بکر قال حدثنا عبدالرحیم عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال اتی رسول اللہ ﷺ رجل فقال: انی رقیت فلانا وکان بہ جنون فاعطیت قطیعا من غنم وانما رقیۃ بالقرآن فقال رسول اللہ ﷺ من اخذ برقیۃ باطل فقد اخذت برقیۃ حق (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵/۴۴۶، کتاب الطب باب فی الاخذ علی الرقیۃ)

جناب قیس بن ابی حازمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا پس اس نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کو دم کیا اوراس پر جنون تھا (وہ شخص میرے دم سے صحت یاب ہوگیا) اس نے مجھے بکریوں کا ایک ریوڑ دیا۔اور میں نے اسے قرآن پڑھ کر دم کیا تھا۔آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص باطل دموں کے ساتھ لیتا ہے (وہ برا کرتا ہے) اورتم نے حق رقیہ کے ساتھ یہ مال حاصل کیا ہے۔(لہٰذا آپ کا یہ عمل درست اوراس پر اجرت جائز ہے)۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا۔حافظ ابن حجر العسقلانی نے الاصابہ فی تمیز الصحابۃ میں ان کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

انہوں نے نبی ﷺ کو خطبہ بیان کرتے ہوئے سنا۔بہرحال ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔البتہ انہوں نے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام سے روایت کی ہے سوائے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ حدیث کے راوی ہیں۔ان کو مخضرم بھی کہا جاتا ہے۔یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ان کے والد محترم ابو حازم رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، قیس رضی اللہ عنہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔

ان سے اس حدیث کو اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں جو ثقہ اور ثبت ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔اسماعیل بن ابی خالد سے اس حدیث کو عبدالرحیم بن سلیمان الکنانی او الطائی روایت کرتے ہیں جو ثقہ بھی اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور عبدالرحیم

سے اس حدیث کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے جو بالاتفاق ثقہ وثبت راوی ہیں اس طرح اس حدیث کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح سند ہے۔

اس روایت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی واقعہ ہے خارجہ بن الصلت کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ خارجہ بن الصلت کے واقعہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہیں اجرت میں کیا چیز دی گئی تھی البتہ مصنف ابن ابی شیبہ (۴۴۵/۵) میں ہے کہ انہیں ایک سو بکریاں دی گئی تھیں اور اس روایت کے آخری الفاظ خارجہ کی روایت سے ملتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو دو سندوں سے بیان ہوا ہے اور اس طرح اس واقعہ کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

چوتھی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا (التوبۃ:٦٠)

''صدقات تو دراصل فقیروں، مسکینوں اور ان کارندوں کے لئے ہیں جو ان (کی وصولی) پر مقرر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی آٹھ مدیں بیان فرمائی ہیں جن میں تیسری مد ان لوگوں کے لئے ہے کہ جو اس کی وصولی پر مقرر کئے جاتے ہیں اور عامل بنائے جاتے ہیں زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ان کے اس کام کی باقاعدہ تنخواہ اور اجرت دی جاتی ہے زکوٰۃ ایک فرضی عبادت ہے اور جو لوگ اس کی وصولی کے لئے عامل مقرر ہوتے ہیں ان کی اجرت کا حکم بھی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی فرضی عبادت پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے۔ اور زکوٰۃ ایک فرضی عبادت ہے،

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''عاملین سے مراد حکومت کے وہ اہلکار ہیں جو زکوٰۃ وصدقات کی وصولی وتقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔'' (احسن البیان ص ۲۵٦)

اس سلسلہ میں احادیث میں جو وضاحت آئی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا ابو الیمان، اخبرنا شعیب، عن الزہری اخبرنی السائب بن یزید ابن اخت نمران حویطب بن

عبدالعزی اخبرہ ان عبداللہ بن السعدی اخبرہ انہ قدم علی عمر فی خلافتہ فقال لہ عمر: الم احدث انک تلی من اعمال الناس اعمالا فباذا اعطیت العمالۃ درھتہا؟ فقلت: بلی: فقال عمر: ماترید الی ذلک؟ قلت: ان لی افراسا واعبدا وانا بخیر وارید ان تکون عمالتی صدقۃ علی المسلمین قال عمر: لاتفعل فانی کنت اردت الذی اردت وکان رسول اللہ ﷺ یعطینی العطاء فاقول: اعطہ افقر الیہ منی حتی اعطانی مرۃ مالا فقلت: اعطہ افقر الیہ منی فقال النبی ﷺ (خذہ فتمولہ وتصدق بہ، فما جائک من ہذا المال وانت غیر مشرف، ولا سائل فخذہ والا فلا تتبعہ نفسک)

(صحیح بخاری: ۱۶۳۷،۴۷۳۱)

''ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو شعیب نے خبر دی، انہیں زہری نے، انہیں نمر کے بھانجے سائب بن یزید نے خبر دی، انہیں حویطب بن عبدالعزیٰ نے خبر دی، انہیں عبداللہ بن السعدی نے خبر دی کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آئے تو ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا مجھ سے جو کہا گیا ہے وہ صحیح ہے کہ تمہیں لوگوں کے کام سپرد کئے جاتے ہیں اور جب اس کی تنخواہ دی جاتی ہے تو تم اسے لینا پسند نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ یہ صحیح ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا اس سے مقصد کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور میں خوشحال ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میری تنخواہ مسلمانوں پر صدقہ ہو جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ میں نے بھی اس کا ارادہ کیا تھا جس کا تم نے ارادہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے عطاء کرتے تھے تو میں عرض کر دیتا تھا کہ اسے مجھ سے زیادہ اس کے ضرورت مند کو عطاء فرما دیجئے۔ آخر آپ نے ایک مرتبہ مجھے مال عطاء کیا اور میں نے وہی بات دہرائی کہ اسے ایسے شخص کو دے دیجئے جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو تو آپ نے فرمایا کہ اسے لو اور اس کے مالک بننے کے بعد اس کا صدقہ کرو۔ یہ مال جب تمہیں اس طرح ملے کہ تم اس کے نہ خواہشمند ہو اور نہ اسے مانگا تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔''

وعن الزہری قال: حدثنی سالم بن عبداللہ ان عبداللہ بن عمر قال: سمعت عمر یقول: کان النبی یعطنی، العطاء فاقول اعطہ افقر الیہ منی، حتی اعطانی مرۃ مالا فقلت: اعطہ من ہو افقر الیہ منی فقال النبی ﷺ (خذہ فتمولہ وتصدق بہ، فما جاءک من ہذا المال وانت غیر مشرف، ولا سائل فخذہ، ومالا فلا تتبعہ

نفسک)(صحیح بخاری: ۱۴۷۳،۷۱۶۴)

''امام زہری سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ مجھے عطاء کرتے تھے تو میں کہتا تھا کہ آپ اسے دے دیں جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، پھر آپ نے مجھے ایک مرتبہ مال دیا اور میں نے کہا کہ آپ اسے ایسے شخص کو دیں جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسے لے لو اور اسکے مالک بننے کے بعد اس کا صدقہ کردو۔ یہ مال جب تمہیں اس طرح ملے کہ تم اس کے خواہشمند نہ ہو اور نہ اسے تم نے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔''

الشیخ محمد داؤد راز ان احادیث کے تحت لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ نے وہ بات بتلائی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں سوجھی یعنی اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مال کو نہ لیتے صرف واپس کر دیتے تو اس میں اتنا فائدہ نہ تھا جتنا لے لینے میں اور پھر اللہ کی راہ میں خیرات کرنے میں۔ کیوں کہ صدقہ کا ثواب بھی اس میں حاصل ہوا۔ محققین فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ مال کے رد کرنے میں بھی نفس کو ایک غرور حاصل ہوتا ہے اگر ایسا ہو تو اسے مال لے لینا چاہئے۔ پھر لے کر خیرات کر دے یہ نہ لینے سے افضل ہوگا۔ آج کل دینی خدمات کرنے والوں کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تنخواہ بقدر کفالت لیں، غنی ہوں تو نہ لیں یا لے کر خیرات کر دیں۔(صحیح بخاری ۳۹۰/۸، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ دینی امور پر جو وظیفہ ملے اس پر راضی رہنا چاہئے اور زیادہ کی فرمائش کرنا یا زیادہ کا لالچ کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ ایک مومن کے لئے دنیا مسافر خانہ ہے اور مسافر سفر کے دوران ٹھنڈی گرم ہر طرح کی غذا سے وقت گزاری کرتا ہے۔ اسی طرح دین کا ایک طالب علم اور دنیا میں اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں انسان کا اصل مقام آخرت ہے۔ اور اسے ہر لمحہ آخرت پر ہی نظر رکھنی چاہئے۔ دنیا کے کروفر اور عیش وعشرت در اصل کافروں کے لئے ہیں اور ایک مومن کا اصل گھر اور اصل ٹھکانہ آخرت ہی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری میں انسان لگا رہے اور آخرت سے بالکل غافل نہ ہو۔

پانچویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی مدوں کا جہاں ذکر فرمایا ہے اس میں ایک مد "فی سبیل اللہ" بھی ہے۔(سورۃ التوبہ:٦٠)

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔یعنی جنگی سامان وضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مال دار ہی ہو) پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اسی طرح بعض علماء کے نزدیک دعوت وتبلیغ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیوں کہ اس سے بھی مقصد جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔(تفسیر احسن البیان ص ٢٠٦)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فی سبیل اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی ہر ایسا کام جس میں اللہ کی رضا مطلوب ہو اور یہ میدان بڑا وسیع ہے اکثر ائمہ سلف کے اقوال کے مطابق اس کا بہترین مصرف جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا ہے۔اور قتال فی سبیل اللہ اسی کا ایک اہم شعبہ ہے۔بالفاظ دیگر اس مد سے دینی مدارس کا قیام اور اس کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں۔علاوہ ازیں ہر وہ ادارہ بھی اس مصرف میں شامل ہے جو زبانی یا تحریری طور پر دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے یا اسلام کا دفاع کر رہا ہے۔بعض علماء کے نزدیک اس مد سے مساجد کی تعمیر ومرمت پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

(تفسیر تیسیر القرآن ٢/٢٢٧ طبع مکتبۃ الاسلام لاہور)

اسی طرح حدیث میں حصول علم کو بھی فی سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے۔

مساجد اور مدارس کی تعمیر اور ان کا انتظام مدارس دینیہ میں اساتذہ کرام کی تنخواہیں، طلباء کے لئے وظائف یہ سب فی سبیل اللہ کی مد میں داخل ہیں۔اس کے علاوہ دینی لٹریچر کی اشاعت وتقسیم جس میں دین کے بنیادی عقائد و اعمال اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق دینی معلومات کو پیش کیا گیا ہو۔جن لوگوں نے اپنے آپ کو دینی خدمات کے لئے وقف کر رکھا ہو یا جو لوگ جہاد وغیرہ میں مصروف ہوں تو ان کے بال بچوں کی نگہداشت پر صدقات خرچ کئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض تحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لا یسالون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم (البقرۃ:۲۷۳)

''یہ صدقات ایسے فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ وہ اپنی معاش کے لئے زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے۔ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں ،آپ ان کے چہروں سے ان کی کیفیت پہچان سکتے ہیں وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے ،ان پر تم جو مال بھی خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اسے جاننے والا ہے۔''

اس آیت میں ان لوگوں کو بھی فقراء کہا گیا ہے جو دین کے کاموں میں شب و روز مصروف رہتے ہیں اور اس مصروفیت کی وجہ سے وہ دوسرے تمام دنیاوی کام اور کاروبار نہیں کر سکتے۔وہ چاہے مجاہدین فی سبیل اللہ ہوں ،یا دین کی تعلیم سیکھنے یا سکھانے والے ہوں۔علیٰ ہذا القیاس دین کے کاموں میں مصروف رہنے والے تمام ہی لوگ ان صدقات کے جائز طور پر مستحق ہیں۔

چھٹی دلیل:

اموال غنیمت میں پانچواں حصہ جسے خمس کہتے ہیں بیت المال کے لئے ہوتا ہے اور باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم ہو جاتا ہے اور مال فے تمام کا تمام بیت المال کا حصہ ہوتا ہے اس میں مجاہدین کو کچھ نہیں ملتا۔اموال فے وہ ہوتا ہے کہ جو لڑائی یا جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے۔مال فے میں سے نبی ﷺ آپ کے قریبی رشتہ داروں ،یتیموں ،مساکین اور مسافروں کا حصہ ہے۔

اس کے علاوہ مہاجرین صحابہ کرام ،انصار اور بعد کے ان لوگوں کا بھی اس مال میں حصہ تھا جو مہاجرین اور انصار کے لئے دل میں کوئی کدورت نہیں رکھتے تھے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔مراد تابعین، تبع تابعین، محدثین کرام اور بعد کے صالحین ہیں۔اموال فے چونکہ بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں اس لئے حکومت ان کو ہر طرح کے خیر کے کاموں میں استعمال کر سکتی ہے اور چونکہ مدارس و مساجد کی نگرانی بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اس لئے ان کے اخراجات بھی بیت المال سے ہوں گے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے سورۃ الحشر آیات ۶ تا ۱۰)

ساتویں دلیل:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معلمین کی تنخواہ مقرر کرنا۔

(1) اخبرنا ابوالحسن بن محمد بن ابی المعروف الفقیہ حدثنا بشر بن احمد الاسفرائینی حدثنا ابوالعباس احمد بن محمد بن خالد بغداد حدثنا خلف بن ہشام حدثنا ابراہیم بن سعد عن ابیہ ان عمر رضی اللہ عنہ کتب الی بعض عمالہ: ان اعط الناس علی تعلیم القرآن فکتب الیہ انک کتبت الی ان اعط الناس علی تعلیم القرآن فتعلمہ من لیس فیہ رغبۃ الا رغبۃ فی الجعل فکتب الیہ ان اعطہم علی المروءۃ والصحابہ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۵/۳۸۲)، کتاب الاموال ص ۷۰ ۷ نصب الرایۃ (۴/۱۳۷)

جناب سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال (گورنروں) کو لکھا کہ لوگوں کو تعلیم القرآن پر وظائف دو۔ ان کے عمال نے جواباً لکھا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کو تعلیم القرآن پر وظائف دیں (چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا) پس اس میں ایسے لوگ بھی تعلیم حاصل کرر ہے ہیں کہ جن کو اس میں رغبت نہیں ہے۔ سوائے وظیفہ حاصل کرنے کی رغبت کے۔ تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ ان لوگوں پر مہربانی کرتے ہوئے اور دوستی کی وجہ سے انہیں وظائف دیتے رہو۔''

(2) حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن صدقۃ بن موسیٰ الدمشقی عن الوضین بن عطاء قال کان بالمدینۃ ثلاثۃ معلمین، یعلمون الصبیان فکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحد منہم خمسۃ عشر درہما کل شہر (مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۶/۱۲۴ المحلی لابن حزم ۷/۲۱)

جناب وضین بن عطاء رحمہ اللہ بیان کرتے ہے کہ مدینہ طیبہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر معلم کو ہر ماہ پندرہ درہم تنخواہ دیا کرتے تھے۔

(3) امام ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷ ھجری) لکھتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین (سیرت العمرین ص ۱۶۵)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ موذنوں، اماموں اور معلموں کو وظائف اور تنخواہیں دیا کرتے تھے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے فقہاء کے متعلق یہ تفصیلات بھی نقل کی ہیں کہ ان کو کن کن شہروں میں تعلیم پر مامور کیا گیا تھا اور ان کے وظائف کی تفصیلات بھی لکھی ہیں۔ (سیرت العمرین ص ۱۶۸)

عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز کا طرز عمل

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن و حدیث میں مشغول رہنے والوں کے وظائف مقرر کر دیئے تھے (شرف اصحاب الحدیث ص ۳۶) نیز انہوں نے معلمین کی تنخواہ بھی مقرر کر دی تھی۔ (کتاب الاموال ص ۶۷۵)

یہ دونوں روایات ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ المحدث الخطیب البغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں۔

کتب الی ابو محمد عبدالرحمٰن بن عثمان بن القسم الدمشقی ثنا و حدثنا بذلک محمد بن یوسف النیسابوری عنہ ثنا ابو المیمون عبدالرحمٰن بن عبداللہ البجلی انا ابو ذرعۃ عبدالرحمٰن بن عمرو النصری انا محمد بن المبرک انا ابن عیاش عن ابی بکر بن ابی مریم قال: کتب عمر بن عبدالعزیز الی حمص مر لاھل الصلاح من بیت المال بما یغنیھم لئلا یشغلھم عن تلاوۃ القرآن و ما حملوا من الاحادیث (شرف اصحاب الحدیث ص ۳۶ باب من جعل من الخلفاء فی بیت المال نصیبا لاصحاب الحدیث)

جناب ابوبکر بن ابی مریمؒ فرماتے ہیں کہ ''جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حمص کے گورنر کے نام فرمان لکھا کہ اہل صلاح کا بیت المال میں سے اتنا حصہ مقرر کر دو کہ وہ بے پرواہ ہو جائیں تاکہ تلاوت قرآن کریم اور حصولِ احادیث کے علم سے انہیں کوئی چیز مشغول نہ کر سکے۔''

جناب ابوغیلان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جناب عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابی مالک الدمشقی اور حارث ابن یجمد الاشعری کو گاؤں میں معلم بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو دین کا علم سکھائیں اور اس کام کی ان کو تنخواہیں دیں۔ پس یزیدؒ نے تنخواہ قبول کی اور حارثؒ نے تنخواہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہ واقعہ لکھا گیا۔ عمرؒ نے جواب لکھا کہ یزید نے جو کیا ہم اس میں کوئی حرج ہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ ہم میں حارث بن یجمدؒ جیسے لوگ زیادہ پیدا فرمائے (جنہوں نے دین کی تعلیم لوجہ اللہ دینے کا عزم اختیار کیا۔) (کتاب الاموال ص ۲۷۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ تعلیم دین پر اجرت کے جواز کے قائل تھے۔ البتہ اگر

کوئی شخص دین کی تعلیم للہ فی اللہ دیتا ہے تو یہ عمل انتہائی مستحسن عمل ہے اور انہوں نے دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ایسے مخلص اور صالح علماء زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے۔ جو صاحب حیثیت اور مال دار ہونے کے علاوہ علم دین سے بھی متصف ہوں۔

آٹھویں دلیل

قاضی کے لئے عہدہ قضاء کی اجرت کا جواز

اسلامی حکومت میں قاضی لوگوں کے درمیان قرآن و حدیث کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کا تمام وقت اسی کام میں صرف ہوتا ہے۔ لہٰذا قاضی کے لئے اس عہدے کی تنخواہ لینا جائز ہے۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں ایک باب قائم کیا ہے۔

باب رزق الحکام والعاملین علیہا

(حکام اور حکومت کے عاملوں کا تنخواہ لینا)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت لکھتے ہیں:

وکان شریح القاضی یا خذ علیہ القضاء اجرا وقالت عائشہ یا کل الوصی بقدر عمالتہ واکل ابو بکر و عمر (ترجمہ) اور قاضی شریح قضا کی تنخواہ لیتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ (یتیم کا) نگراں اپنے کام کے مطابق خرچہ لے گا اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی (خلیفہ ہونے پر) بیت المال سے بقدر کفایت تنخواہ لی تھی۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ جن کا نام شریح بن الحارث بن قیس النخعی الکوفی ہے اور جو کوفہ کے قاضی تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں اس عہدے پر متعین فرمایا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد وہ عرصہ دراز تک اس عہدے پر قائم رہے اور اس سلسلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے تذکرے کتب حدیث میں موجود ہیں۔ آپ ثقہ اور مخضرم ہیں۔ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار کو پایا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صحابی ہیں۔ (فتح الباری ۱۵۰/۱۳)

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

وہذا الاثر وصلہ عبدالرزاق وسعید بن منصور من طریق مجالد عن الشعبی بلفظ کان مسروق لا یا خذ علی

القضاء اجراًوکان شریح یاخذ (فتح الباری ۱۳/۱۵۰)
اور یہ اثر جسے عبدالرزاق اور سعید بن منصور نے مجالد عن الشعبی کے طریق (سند) سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جناب مسروق قضاء پر تنخواہ نہیں لیتے تھے اور شریح قضاء کی تنخواہ لیتے تھے۔
حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔
قال الطبری ذہب الجمہور الی جواز اخذ القاضی الاجرة علی الحکم لکونہ یشغلہ الحکم عن القیام بمصالح غیر ان طائفۃ من السلف کرہت ذلک ولم یحرموہ مع ذالک وقال ابوعلی الکرابیسی: لا باس للقاضی ان یاخذ الرزق علی القضاء عند اہل العلم قاطبۃ من الصحابۃ ومن بعدہم وہو قول فقہاء الامصار لا اعلم بینہما اختلافا وقد کرہ ذالک قوم منہم مسروق ولا اعلم احدا منہم حرمہ (فتح الباری ۱۳/۱۵۰)
امام طبری فرماتے ہیں: ''جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کے لئے عہدہ قضاء کی تنخواہ جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے دوسرے کام (کاروبار وغیرہ) نہیں کرسکتا۔ لیکن سلف کے ایک گروہ نے اسے ناپسند کیا ہے باوجود اس کے کہ اسے حرام قرار نہیں دیا۔ اور امام ابوعلی کرابیسی فرماتے ہیں کہ اہل علم صحابہ کرام اور ان کے بعد کے تمام علماء کے نزدیک قاضی کے عہدہ قضاء پر تنخواہ لینے میں کوئی قباحت نہیں اور میں ان کے درمیان کسی اختلاف کو نہیں جانتا اور ایک قوم نے اسے صرف ناپسند کیا ہے جن میں مسروق بھی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کسی نے اس تنخواہ کو حرام قرار دیا ہو۔''
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضیوں کے لئے وظائف اور تنخواہیں مقرر کی تھیں (نظام العالم والامم ۲/۱۸۳) بحوالہ راہ سنت ص ۲۵۶) کتاب الخراج لقاضی ابی یوسف میں اس کی مزید تشریح موجود ہے۔
اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ قاضی کے لئے اجرت جائز ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومتوں میں قاضی کو تنخواہ ملتی رہی ہے اور اب تک اس کا دستور ہے اور یہی صورت حال مفتی کی ہے۔ لہٰذا مفتی کے لئے بھی تنخواہ کا جواز موجود ہے۔ امام بخاری نے اس باب کے تحت دو احادیث نقل کی ہیں، جن میں عاملین زکوٰۃ کی تنخواہ کا ذکر ہے اور جسے ہم نے چوتھی دلیل کے تحت نقل کر دیا ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت کی ممانعت کے سلسلے میں روایات کی حیثیت

(1) عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کی روایت

حدثنا اسماعیل بن ابراہیم عن ہشام یعنی الدستوائی قال حدثنی یحی ابن ابی کثیر عن ابی راشد الحبرانی قال قال عبدالرحمٰن بن شبل سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اقرؤوا القرآن ولا تغلوا فیہ ولا تجفوا عنہ ولا تاکلوا بہ ولا تستکثروا بہ (مسند احمد ۳/ ۴۲۸، ۴۴۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۲، نصب الرایہ ۳/۱۳۶)

''قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو اور اس کے ذریعے نہ کھاؤ اور نہ اس کے ذریعے منافع حاصل کرو۔''

اس حدیث کے تمام رجال اگرچہ ثقہ ہیں لیکن اس کے باوجود اصول حدیث کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی یحیٰی ابن ابی کثیر الطائی ابو نصر الیمانی ہے جو ثقہ ثابت ہونے کے باوجود مدلس بھی ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثقہ ثبت لکنہ یدلس ویرسل من الخامسہ (تقریب التہذیب ۲/۳۱۳)

ثقہ، ثبت ہیں لیکن تدلیس اور ارسال کرتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ یحیٰی بن ابی کثیر مدلس ہے اور وہ احادیث میں ارسال بھی کرتے تھے۔

اور مدلس کا عن وغیرہ کے ساتھ بدون تصریح سماع روایت کرنا علتِ قادحہ ہے۔ مدلس جب تک اپنی روایت میں حدثنی یا حدثنا کہہ کر سماع کی تصریح نہ کرے تو اس کی وہ روایت ضعیف شمار ہوتی ہے اور اس روایت کو انہوں نے ہر جگہ عن ہی سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری یحیٰی بن ابی کثیر کی ایک روایت الرویا الصالحۃ من اللہ کی سند ذکر کرتے ہیں:

حدثنا ابوالمغیرہ حدثنا الاوزاعی قال حدثنی یحیٰی عن عبداللہ بن ابی قتادہ

یہاں یحیٰی نے عن سے روایت بیان کی ہے لہٰذا امام بخاری اس کے بعد دوسری سند پیش کر کے ان کے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔

وحدثنی سلیمان بن عبدالرحمٰن حدثنا الولید حدثنا الاوزاعی قال حدثنی یحیٰی بن ابی کثیر قال حدثنی عبداللہ بن ابی قتادہ

حافظ ابن حجر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفائدہ الطریق الثانیۃ وان کانت الاولی اعلی منہا التصریح فیہا تحدیث عبداللہ بن ابی قتادہ لیحیی بن ابی کثیر (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۲) کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ)'' اور طریق ثانیہ کا فائدہ یہ ہے کہ

اس میں عبداللہ بن ابی قتادہ سے یحییٰ بن ابی کثیر کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ اگرچہ پہلا طریق اس سے اعلیٰ ہے (کیوں کہ اس میں راویوں کی تعداد کم ہے)

امام بخاری کے نزدیک بھی یحیٰ مدلس ہیں اس لئے کہ انہیں سماع کی تصریح کے لئے دوسرا طریق بیان کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں اس سند میں یحییٰ ابوراشد حبرانی سے روایت کر رہے ہیں جب کہ ان کی روایت ابوراشد حبرانی سے صحیح نہیں ہے بلکہ ان سے ان کی روایت منقطع ہے نیز دوسری سند میں یحیٰ اور ابوراشد حبرانی کے درمیان مزید دو واسطے بھی موجود ہیں۔ سند یوں ہے۔

حدثنا عفان حدثنا ابان حدثنا یحیٰ بن ابی کثیر عن زید عن ابی سلام عن ابی راشد الحبرانی عن عبدالرحمٰن بن شبل (مسند احمد ۳/۴۴۴)

اس سند میں ابوراشد سے پہلے زید بن سلام اور پھر ابوسلام کا واسطہ موجود ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ زید بن سلام سے بھی یحییٰ کی روایت منقطع ہے چنانچہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

وقال حسین المعلم: قلنا لیحیی ابن ابی کثیر ہذہ المرسلات عمن ہی؟ قال اتری رجلا اخذ مدادا وصحیفۃ فکتب علی رسول اللہ ﷺ الکذب قال قلت فاذا جاء مثل ہذا فاخبرنا؟ قال: اذا قلت بلغنی فہو من کتاب قال یحیٰ القطان بمرسلات یحیٰ بن کثیر شبہ الریح قلت ہو فی نفسہ عدل حافظ من نظراء الزہری وروایتہ عن زید بن سلام منقطعۃ لانہا من کتاب وقع لہ (میزان الاعتدال ۴/۴۰۳) سیر اعلام النبلاء ۶/۲۷)

''حسین المعلم فرماتے ہیں: ہم نے یحیٰ بن ابی کثیر سے کہا: یہ مرسل روایات کہاں سے آئی ہیں؟ فرمایا کیا تم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہو کہ وہ سیاہی اور کاپی لیتا ہے اور اس نے رسول ﷺ پر جھوٹ لکھا ہے (یعنی جھوٹی روایات لکھیں) میں نے کہا پس جب ہمارے پاس اس طرح کی کوئی روایت آئے تو ہم کہیں اخبرنا (ہمیں اس نے خبر دی) فرمایا: جب میں کہوں کہ بلغنی یعنی (یہ

روایت) پہنچی ہے تو وہ اس کتاب سے ہے۔امام یحی القطان فرماتے ہیں: یحی بن ابی کثیر کی مرسل روایات ہوا کی طرح (بے بنیاد) ہیں میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ وہ بذات خود عادل حافظ ہیں اور امام زہری کی نظیر (مثل) ہیں اور زید بن سلام سے ان کی روایت منقطع ہے اس لئے کہ وہ اس کتاب سے ہے کہ جو ان کے لئے واقع (ثابت) ہے۔"

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وقال حرب بن شداد عن یحی قال کل شی عندی عن ابی سلام الاسود انما ہو کتاب (سیر اعلام النبلاء ۲۷۳/۶)"حرب بن شداد" یحی بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: میں نے جو روایات بھی ابوسلام الاسود سے بیان کی ہیں وہ کتاب میں سے ہیں۔

حافظ ذہبی کے بیان سے واضح ہوا کہ یحی کی روایت زید بن سلام سے بھی منقطع ہے نیز ان کی مراسیل بے بنیاد ہیں اور امام یحی نے جو روایات زید بن سلام اور ابوسلام الاسود سے بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام کتاب میں سے ہیں۔اور کتاب کی روایات بقول امام یحی کے نبی ﷺ پر جھوٹ ہیں۔اور یہ مذکورہ روایت بھی زید عن ابی سلام الاسود ہی کے واسطے سے ہے۔لہٰذا اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے"۔

اعتراض

صاحب بلوغ الامانی لکھتے ہیں:

وقال الہیثمی رجالہ ثقات وقال الحافظ سندہ قوی (جزء ۱۵ص ۱۲۵)

الہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حافظ کہتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔

الجواب

الہیثمی اور حافظ نے درست کہا ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن کیا "رجالہ ثقات" کہنے سے یا "رجالہ رجال الصحیح" کہنے سے کوئی روایت صحیح ثابت ہوگی؟ اس طرح کے ریمارکس کے متعلق علامہ البانی کی کتاب تمام المنۃ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(وضاحت) حدیث کے راویوں کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہوتا کیوں کہ بعض دفعہ اس سند میں مدلس راوی ہوتا ہے یا وہ روایت منقطع یا مرسل یا معضل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ

ضیف قرار پاتی ہے۔

(تحقیق مزید)

محدث العصر حافظ زبیر علیزئی صاحب نے اس مضمون کے مطالعہ کے بعد مجھے ایک علمی اور تحقیقی خط لکھا اور اس میں لکھا مسند ابویعلیٰ (۸۸/۳، ح ۱۵۱۸) اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۱۸/۳) میں یحیٰ بن ابی کثیر کی زید بن سلام سے سماع کی تصریح موجود ہے، موصوف فرماتے ہیں: اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یحیٰ بن ابی کثیر نے زید بن سلام سے سماع کی تصریح کر رکھی ہے اور اس تحقیق کے بعد یہ روایت صحیح قرار پائی ہے۔" اور یحیٰ بن ابی کثیر اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ معاویہ بن سلام نے ان کی متابعت کر رکھی ہے جیسا کہ حافظ موصوف نے تحریر فرمایا ہے اور معاویہ بن سلام ثقہ ہے اور ان کی یہ روایت امام ابن ابی عاصم کی کتاب "الآحاد والمثانی" (۱۳۵/۴، ۱۳۶ ح ۲۱۱۶) اور تاریخ دمشق لابن عساکر (۲۹۶/۳۶) میں موجود ہے اور یہ حافظ زبیر علیزئی حفظہ اللہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ اس تحقیق پر انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے آمین

-

حدیث عبدالرحمٰن بن شبل کا صحیح مفہوم

اس حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود بھی اس حدیث کا وہ مطلب اور مفہوم نہیں ہے کہ جو عموماً بیان کیا جاتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ اقرووالقرآن ولاتاکلوابہ یعنی قرآن پڑھو اور اس کے ذریعے نہ کھاؤ کا مطلب دوسری حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال نہ کرو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جناب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قاری پر سے گزرے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرتا تھا پس انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

من قرا القرآن فلیسال اللہ بہ فانہ سیجیٔ اقوام یقرؤون القرآن یسالون بہ الناس (سنن الترمذی (ص ۶۵۲ ح ۲۹۱۷) مسند احمد (۴۳۲/۴، ۴۳۳، ۴۳۹) الصحیحہ (۴۶۱/۱ ح ۲۵۷)

"جو شخص قرآن پڑھے پس وہ اللہ سے سوال کرے کیوں کہ عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو

قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرے گی۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا اور بھیک مانگنا درست نہیں ہے اور اس بات کی وضاحت اس حدیث میں قول وفعل دونوں کے ذریعے کردی گئی ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ دم اور تعلیم القرآن وغیرہ پر اجرت نہ لی جائے۔ کیوں کہ اس کی وضاحت صحیح ترین احادیث کے ذریعے اپنے مقام پر کردی گئی ہے۔ اس حدیث کا واضح اور درست مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر اس کے ذریعے سوال نہ کیا جائے اور نہ بھیک مانگی جائے اور قرآن کریم کو روٹی حاصل کرنے کا اس انداز میں ذریعہ نہ بنایا جائے اس روایت کو علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے دیکھئے (الصحیحہ ۲۵۷، سنن الترمذی ۲۹۱۷، وغیرہا) اس روایت پر ہمارے نزدیک اگرچہ کلام کی گنجائش موجود ہے، لیکن چونکہ یہ روایت کسی اصول کے خلاف نہیں ہے، لہٰذا شواہد میں اسے حسن قرار دینے میں کوئی حرج نہیں پھر فریق مخالف کے نزدیک بھی یہ روایت صحیح ہے۔

ایک روایت میں اقرؤوا القرآن کے بجائے تعلموا القرآن (قرآن سیکھو) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یعنی قرآن سیکھو پس جب تم قرآن سیکھ جاؤ تو...... اس کے ذریعے نہ کھاؤ (مسند احمد ۳/۴۴) اس روایت کا بھی وہی مفہوم ہے جو اوپر والی روایت کا ہے ان روایات میں کوئی تضاد نہیں۔ اور صحیح روایت میں اقرؤوا القرآن کے الفاظ ہی آئے ہیں اور یہی الفاظ محفوظ ہیں جبکہ تعلموا القرآن کے الفاظ کے ساتھ جو روایت آئی ہے وہ یحیٰ بن ابی کثیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا اس روایت کو پیش کرنا درست نہیں ہے۔

علماء اصول کا یہ قاعدہ ہے کہ جب روایات میں اس طرح کا کوئی تضاد واقع ہوگا تو ان میں تطبیق دی جائے گی اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ایک حدیث ناسخ اور دوسری منسوخ سمجھی جائے گی۔ اس لحاظ سے عام اصول یہی ہے کہ دینی امور پر اجرت جائز ہے اور جن روایات میں ممانعت کا ذکر ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال نہ کیا جائے اور نہ بھیک مانگی جائے۔ نیز ممانعت کی روایت پہلے کی ہیں او دینی امور پر اجرت کا جواز جن روایات میں ہے وہ بعد کی ہیں جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بھی ہے۔

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ (بخاری)

"جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کم سن ہیں اور وہ جواز کی روایات نقل کرتے ہیں اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ممانعت کی روایت منسوخ ھے کیوں کہ عبداللہ بن عباس اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم کی روایات ان کی ناسخ ہیں۔ نیز ملاحظہ فرمائیں نصب الرایہ (۱۳۷/۴)

(۲) عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت

عن عبادۃ بن الصامت قال علمت ناسا من اہل الصفۃ القرآن والکتاب فاہدی الی رجل منہم قوسا فقلت لیست بمال وارمی عنہا فی سبیل اللہ لاتین رسول اللہ ﷺ فلاسئلنہ فاتیتہ فقلت یا رسول اللہ رجل اہدی الی قوسا من کنت اعلمہ الکتاب والقرآن ولیست بمال وارمی عنہا فی سبیل اللہ تعالیٰ قال ان کنت تحب ان تطوق طوقا من نار فاقبلہا (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارہ باب فی کسب المعلم ۳۴۱۶)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا اور لکھنا سکھایا تو ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو ایک کمان تحفے میں دی۔ میں نے خیال کیا یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اللہ کی راہ میں اس سے تیر چلاؤں گا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں گا اور آپ ﷺ سے پوچھوں گا تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص نے، جسے میں نے قرآن پڑھایا اور لکھنا سکھایا تھا مجھے ایک کمان تحفہ میں دی ہے اور یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اس سے اللہ کی راہ میں تیر چلاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تو آگ کا طوق پہننا چاہے تو اس کمان کو لے لے۔"

اس روایت کی ایک سند یوں ہے:

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ حدثنا وکیع وحمید بن عبدالرحمٰن الرواسی عن مغیرہ بن زیادۃ عن عبادہ بن نسی عن الاسود بن ثعلبۃ عن عبادۃ بن الصامت...... (ابوداؤد) وابن ماجہ فی التجارات، مسند احمد (۵/۳۱۵) مستدرک (۴۱/۲) مصنف ابن ابی شیبہ

اس روایت کا بنیادی راوی جو عبادۃ بن الصامت سے اس روایت کو بیان کرتا ہے الاسود بن ثعلبہ الکندی الشامی ہے جو مجہول ہے، دیکھئے تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب (۱/ ۳۳۸) خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال ص ۳۷) امام عبدالرحمان بن مہدیؒ فرماتے ہیں، مجھے اس راوی سے اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث یاد نہیں ہے اور علامہ ذہبی عبدالرحمن بن مہدی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ راوی غیر معروف ہے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ان سے یہی ایک حدیث بیان کی ہے۔
علاوہ ازیں اس روایت کے دوسرے راوی مغیرہ بن زیاد البجلی ابو ہاشم الموصلی ہیں جو اگر چہ صدوق ہیں لیکن وہ اوہام کے مالک ہیں (تقریب) یہ مختلف فیہ راوی ہیں علامہ منذری اس راوی کے متعلق فرماتے ہیں:
وفی اسنادہ: المغیرۃ بن زیادہ، ابو ہاشم الموصلی وقد وثقہ وکیع و یحی بن معین، وتکلم فیہ جماعۃ وقال الامام احمد: ضعیف الحدیث، حدث بأحادیث مناکیر، وکل حدیث رفعہ فہو منکر، وقال ابو زرعۃ الرازی، لا تحتج بحدیثہ (مختصر سنن ابی داؤد ۵/۷۰)
"اور اس روایت کی سند میں مغیرہ بن زیادہ ابو ہاشم الموصلی ہیں، امام وکیع اور یحیٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس پر جرح کی ہے اور احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ ضعیف الحدیث ہے اور اس نے منکر احادیث بیان کی ہیں اور ہر وہ حدیث جسے وہ مرفوع بیان کرے وہ منکر ہے اور ابو زرعۃ الرازی فرماتے ہیں: اس کی حدیث سے احتجاج درست نہیں ہے"۔

اس روایت کی دوسری سند یوں ہے۔
حدثنا ابو المغیرہ حدثنا بشر بن عبداللہ یعنی ابن یسار السلمی قال حدثنی عبادہ بن نسی عن جنادہ بن ابی امیۃ عن عبادۃ بن الصامت (مسند احمد ۵/۳۲۴، مستدرک ۳/۳۵۶)
اس روایت کی سند میں ایک راوی بشر بن عبداللہ بن یسار ہے اور یہ مقبول درجہ کا راوی ہے۔ کیوں کہ صرف حافظ ابن حبان نے انہیں "ثقات" میں ذکر کیا ہے۔ اور ایسے راوی کی جب تک کوئی معتبر متابع موجود نہ ہو تو اس کی روایت حسن درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ حافظ صاحب نے انہیں صدوق کہا ہے حالانکہ ان کے اصول کی مطابق بھی یہ صرف مقبول درجہ کا راوی بنتا ہے۔ جس

سے واضح ہوتا ہے کہ اس مقام پر ان سے فروگذاشت ہوئی ہے۔ کیوں کہ ان کے علاوہ کسی نے بھی ان کو صدوق قرار نہیں دیا۔

علامہ ذہبی الکاشف میں راویان حدیث کے متعلق کوئی نہ کوئی حکم ضرور لگاتے ہیں لیکن وہ بھی اس مقام پر خاموش ہیں اور یہی حال خلاصۃ تذہیب والے کا ہے (ص ۴۹) نیز اس غیر معروف راوی نے حدثنی کہہ کر اس حدیث کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں بشر منفرد ہے کوئی دوسرا محدث ان کے ساتھ تحدیث میں بھی شریک نہیں ہے۔ بعض نے اس روایت میں ''بقیہ'' راوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی حدثنا بقیۃ حدثنی بشر بن عبداللہ بن یسار (ابوداؤد کتاب البیوع) اور بقیہ بھی مختلف فیہ راوی ہے اور سخت قسم کا مدلس ہے۔ حافظ صاحب فرماتے:

صدوق کثیر التدلیس من الضعفاء (تقریب) وہ صدوق ہے اور ضعفاء سے کثرت کے ساتھ تدلیس کرتا ہے۔ علامہ منذری فرماتے ہیں وفی ہذہ الطریق بقیۃ بن الولید وقد تکلم فیہ غیر واحد (مختصر سنن ابی داؤد ۵/۷) ''اور اس طریق میں ایک راوی بقیۃ بن الولید ہے جس پر ایک سے زیادہ محدثین نے کلام کیا ہے۔'' البتہ اگر بقیہ سماع کی تصریح کرے تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے اور اس مقام پر اس نے حدثنی کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے لیکن یہ روایت اس نے بشر بن عبداللہ سے روایت کی ہے اور بشر پر کلام گزر چکا ہے۔ اور ان روایات کی سندوں میں اتنا وزن نہیں ہے کہ وہ ابوسعید الخدری اور عبداللہ بن عباس کی روایت کا مقابلہ کرسکیں۔ ان روایات میں وعید شدید کا ذکر ہے۔ جب کہ ان کی اسناد ضعیف ہیں۔ امام البیہقی اس مقام پر فرماتے ہیں:

ہذا حدیث مختلف فیہ علی عبادۃ بن نسی کما تری وحدیث ابن عباس وابی سعید اصح اسنادا منہ (السنن الکبری ۶/۱۲۵)

''یہ حدیث عبادہ بن نسی پر مختلف فیہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور ابن عباس اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم کی احادیث اس روایت سے بہت زیادہ صحیح ہیں۔''

دوسرے مقام پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر فرماتے ہیں:

وہذا اصح من حدیث عبادۃ بن الصامت وابی الدارداء فی التہدید والوعید فی اخذ القوس علی تعلیم القرآن لما فی اسناد حدیثہما من الضعف ثم قد حملہا بعض اصحابنا علی حال یجب فیہ تعلیمہ (السنن

الصغری للبیہقی مع الجوہر النقی الکبری (۶/۲۳۳ الی ۲۳۵)

یہ حدیث عبادۃ بن الصامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں تعلیم قرآن پر کمان لینے پر تہدید (ڈراوا) اور وعید وارد ہوئی ہے جب کہ ان روایات کی اسناد میں ضعف ہے پھر ہمارے بعض اصحاب نے ان احادیث کو (اگر یہ صحیح ہوں) ایسے حالات پر محمول کیا ہے جس میں اس کی تعلیم کو پسند کیا جاتا ہے۔"

امام خطابی رحمہ اللہ حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے تحت لکھتے ہیں:

وتاولوا حدیث عبادہ علی انہ امر کان تبرع بہ، ونوی الاحتساب فیہ، ولم یکن قصدہ وقت التعلیم الی طلب عوض ونفع، فحذرہ النبی ابطال اجرہ، وتوعدہ علیہ، وکان سبیل عبادۃ فی ہذا سبیل من ردضالۃ الرجل اواستخرج لہ متاعا قدغرق فی بحر تبرعا وحسبۃ، فلیس لہ ان یاخذ علیہ عوضا، ولوانہ طلب لذلک اجرۃ قبل ان یفعلہ حسبۃ: کان ذلک جائزا

واہل الصفۃ، قوم فقراء، کانو یعیشون بصدقۃ للناس، فاخذ الرجل المال منہم مکروہ، ودفعہ الیہم مستحب وقال بعض العلماء: اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن لہ حالات، فاذا کان فی المسلمین غیرہ ممن یقوم بہ حل لہ اخذ الاجرۃ علیہ لان فرض ذلک لایتعین علیہ واذا کان فی حال اوموضع لایقوم بہ وغیرہ لم یحل لہ اخذ الاجرۃ وعلی ہذا تاویل اختلاف الاخبار فیہ **مختصر سنن ابی داؤد مع معالم السنن (۵/۷۰-۷۱)**

"اور علماء نے حدیث عبادہ کی یہ تشریح کی ہے (جب کہ یہ حدیث صحیح ہو) کہ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو انہوں نے بنظر ثواب خوشی سے کیا تھا اور اس کے کرنے میں ان کی نیت ثواب کی تھی اور تعلیم کے دوران انہوں نے بدل (اجرت) اور نفع کمانے کی نہیں کی تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے ان کو ڈرایا اور انہیں خوف دلایا اور عبادہ کا ارادہ اس معاملہ میں اس شخص کی طرح تھا جو کسی کا گم شدہ جانور ڈھونڈ کر واپس کردے یا اس کے غرق شدہ سامان کو جو دریا۔ غرق ہو گیا تھا دریا سے نکال کر بنظر ثواب خوشی سے اسے واپس دے دے۔ ایسے شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کام پر اجرت حاصل کرے اور اگر وہ اس کام کے کرنے سے پہلے ثواب کی نیت کے بغیر اس شخص (جانوروں کے یا سامان والے) سے اجرت طلب کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اصحاب صفہ فقراء تھے، ان کی معیشت کا دارومدار لوگوں کے صدقہ پر تھا۔ آدمی کا ان میں سے کسی سے مال لینا مکروہ تھا اور انہیں مال لوٹانا

مستحب تھا۔اور بعض علماء نے کہا''تعلیم پر اجرت لینے کی کئی صورتیں ہیں۔پس جب مسلمانوں میں اس (متعین) عالم کے علاوہ کوئی اور عالم بھی ہو جو اس تعلیم کا انتظام (سکھانے کا کام) کر سکے تو اس (متعین) عالم کے لئے اس (تعلیم) پر اجرت لینا حلال ہے کیوں کہ یہ (تعلیم دینے کا) کام اس پر (بطور فرض) متعین نہیں ہے۔

اور جب یہ عالم ایسی صورت حال یا ایسی جگہ میں ہو کہ جہاں اس تعلیم کے کام کو اس کے علاوہ کرنے والا کوئی بھی نہ ہو تو اس کے لئے اس تعلیم پر اجرت لینا حلال نہیں ہے۔اور اس طرح اس تاویل سے ان تمام اختلافی روایات کی آپس میں تطبیق ہو جاتی ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس روایت کی تاویل ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

فان صح اسنادہ فھو محمول عند کثیر العلماء منھم ابو عمر بن عبد البر علی انہ لما علمہ اللہ لم یجز بعد ھذا ان یعتاض عن ثواب اللہ بذلک القوس فاما اذا کان من اول الامر علی التعلیم بالاجرۃ فانہ یصح کما فی حدیث اللدیغ وحدیث سھل فی المخطوبہ واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر ۱/۸۴)

''اگر اس روایت کی سند صحیح ہو تو وہ بہت سے علماء کے نزدیک محمول ہوگا۔ان علماء میں حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ بھی ہیں کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے اور اگر شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ یہ اجرت جائز ہے جیسا کہ حدیث لدیغ اور حدیث مخطوبہ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے''۔

اس طرح کی ایک روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی ہے لیکن امام البیہقی نے اس روایت کے متعلق امام دُحیم رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے: لیس لہ اصل (السنن الکبری ۶/۱۲۶) اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔اس روایت کو امام البانی نے (الفوائد ۱/۲۶۸) لابی محمد المخلدی اور تاریخ دمشق (۲/۷ ۲/۴۲) لابن عساکر سے بھی نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی سعید بن عبد العزیز ہے اور جو آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔(التقریب) اس راویت کے دوسرے راوی الولید بن مسلم ہیں جو اگر چہ صحیحین کے راوی ہیں لیکن وہ کثیر التدلیس والتسویہ بھی ہیں۔اور امام البانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس نے سعید اور اسماعیل کے درمیان سے کسی راوی

کو ساقط کرلیا ہو مثلاً عمرو بن واقد جیسے راوی کو اور اسی بناء پر امام دُحیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے: لیس لہ اصل ''اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' (الصحیحہ ۱/۴۵۹) ابن عساکر نے اس روایت کو عمرو بن واقد کی سند سے بھی بیان کیا ہے اور یہ متروک درجہ کا راوی ہے۔ اسی بناء پر امام البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ ولید نے کسی کو سند میں سے ساقط کردیا ہو۔

وضاحت: تدلیس تسویہ یہ ہے کہ ایسا مدلس جو کسی حدیث کی سند میں شروع سے آخر تک کسی بھی مقام پر کسی راوی کے نام سے پہلے عن ذکر کر کے ضعیف یا متروک راوی کو درمیان سے ساقط کردے لہٰذا ایسے راوی کی اس طرح کی حدیث ضعیف شمار ہوگی۔ جبکہ ایسے راوی کی وہ روایت صحیح مانی جائے گی۔ جس میں وہ شروع سے آخر سند تک سماع کی تصریح کرے۔

اس طرح کی ایک روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔ (سنن ابن ماجہ (۲۱۵۸) السنن الکبریٰ للبیہقی (۶/۱۲۵) لیکن اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن سلم مجہول ہے۔ (تقریب) علاوہ ازیں عطیہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع بھی ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث مزید ضعیف ہو جاتی ہے۔

(۳) سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

تعلموا القرآن وسلوا اللہ بہ الجنۃ قبل ان یتعلمہ قوم، یسالون بہ الدنیا فان القرآن یتعلمہ ثلاثۃ: ورجل یباہی، ورجل یستاکل بہ، ورجل یقراہ للہ (قیام اللیل ص: ۷۴ بحوالہ سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ (۱/۴۶۳)

''(لوگوں کو) قرآن کی تعلیم دو اور اس (عمل) کے ذریعے اللہ سے جنت طلب کرو قبل اس کے کہ ایک قوم قرآن کی تعلیم دے گی اور اس کے ذریعے دنیا طلب کرے گی۔ پس قرآن کی تعلیم تین قسم کے لوگ دیتے ہیں ایک وہ شخص جو اس پر فخر کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو اس کے ذریعے کھاتا ہے اور تیسرا وہ شخص جو اسے اللہ کی رضا کے لئے پڑھتا ہے''۔ اس روایت کی سند یوں ہے:

عن ابن لھیعۃ عن موسیٰ بن وردان عن ابی الھیثم عن ابی سعید الخدری

اس روایت کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن لھیعۃ ہے جو سیئی الحفظ (برے حافظہ کا مالک) ہے اس

بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس روایت کی تائید کے لئے علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت بھی پیش کی ہے۔ دیکھئے خلق افعال العباد (ص ۹۶) مستدرک (۴/۵۴۷)، مسند احمد (۳/۳۸)

لیکن اس روایت کا مضمون اوپر والی روایت کی تائید نہیں کرتا۔

اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں'' قرآن تین قسم کے لوگ پڑھتے ہیں: مومن، منافق، اور فاجر ''اس حدیث میں لفظ فاجر کی وضاحت الولید بن قیس نے یہ کی ہے: الفاجر یتاکل بہ فاجر وہ ہے جو اس (قرآن) کے ذریعے کھاتا ہے۔ یہ الفاظ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ اور الولید بن قیس التجیبی صرف مقبول درجہ کا راوی ہے اور اس کی کسی معتبر راوی نے متابعت بھی نہیں کی۔

(۴) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں اعرابی (دیہاتی) اور عجمی بھی تھے۔ پس آپ نے فرمایا:

اقرؤوا فکل حسن وسیجیٔ اقوام یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب ما یجزی الامی والاعجمی من القراۃ، مسند احمد ۳/۳۵۷، ۳۹۷)

'' قرآن پڑھو، ہر شخص اچھا پڑھتا ہے اور عنقریب ایسی قومیں ہوں گی جو قرآن کو تیر کی طرح درست کریں گے۔ یہ قومیں (دنیا کے لئے) جلدی کریں گی اور آخرت کے لئے کچھ نہ رکھیں گی''۔

اور سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

یتعجل اجرہ ولا یتاجلہ یہ لوگ اس کے اجر میں جلدی کریں گے (اور دنیا ہی میں اس کا بدلہ حاصل کرلیں گے) اور آخرت کے لئے کچھ نہ رکھیں گے (ابوداؤد ایضاً)

سنن ابی داؤد میں جابر کی روایت کی سند یوں ہے۔ حدثنا وہب بن بقیۃ اخبرنا خالد عن حمید الاعرج عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللہ......

مسند احمد (۳/۳۹۷) کی سند بھی یہی ہے البتہ اس سند میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے اور حدثنا خالد کے بعد عن، بن میں تبدیل ہوگیا ہے یعنی خالد بن حمید الاعرج بن گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تصحیف ہے

اور جس کی طرف امام البانی نے اشارہ کیا ہے۔(الصحیحہ :۱/۴۶۴)
یہ روایت صحیح ہے اور حمید الاعرج سے مراد حمید الاعرج الکوفی نہیں ہے کیوں کہ وہ ضعیف ہے بلکہ اس سے مراد حمید بن قیس المکی الاعرج ابو صفوان القاری ہے جو ثقہ ہے۔ البتہ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ والی روایت میں ابن لہیعۃ اور وفاء بن شریح الصدفی واقع ہیں۔ اور وفاء مقبول درجہ کا راوی ہے۔ مسند احمد (۱۴۶/۳، ۱۵۵) میں اس روایت کو مسند انس بن مالک میں نقل کیا گیا ہے اور علامہ البانی کے بقول یہ ابن لہیعہ کے اوہام میں سے ہے کہ اس نے سہل بن سعد کو مسند انس بن مالک میں بدل دیا۔(الصحیۃ ۱/۴۶۵)
اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ لوگ قرآن کو درست کرنے کے لئے بے حد محنت کریں گے اور اسے تیر کی طرح سیدھا کریں گے اور علم تجوید کے مطابق اس کی ادائیگی میں خوب محنت وکوشش کریں گے لیکن اس ساری کوشش اور جدوجہد کا مقصد دنیا میں نام ونمود حاصل کرنا اور ریا کاری ہوگا اور ریا کاری کو حدیث میں شرک اصغر کہا گیا ہے اور جن تین قسم کے لوگوں پر جہنم کو بھڑکایا جائے گا اس میں وہ عالم وقاری بھی ہوگا جس نے نام ونمود کے لئے قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا ہوگا۔ اور اس ساری جدوجہد کا مقصد یہ ہوگا کہ دنیا میں اس کا نام مشہور ہو جائے۔ چنانچہ دنیا میں تو ایسے شخص کو شہرت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن یہ ریا کاری اسے جہنم کا باسی بنا دے گی۔(صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح کتاب العلم)
اس کے علاوہ اس حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن کا پڑھنے والا قرآن کے خلاف عمل کرے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ جناب زید بن وہب الجہنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس لشکر میں تھے جس نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج پر چڑھائی کی تھی۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''میری امت میں سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن کو اس طرح (سنوار کر) پڑھیں گے کہ تمہارا پڑھنا ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھے گا اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے مقابلے میں کوئی حیثیت رکھے گی اور نہ ہی تمہارے روزے ان کے روزوں کا مقابلہ کرسکیں گے وہ قرآن پڑھ کر سمجھیں گے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہیں جب کہ ان کا عمل قرآن کے خلاف ہوگا اور نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں

اترے گی۔ (غالباً یہ کسی راوی کا وہم ہے اس لئے کہ بخاری و مسلم کی اکثر روایات میں ہے کہ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی قرآن پر وہ عمل پیرا نہیں ہوں گے) اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے اور اس پر خون کا کوئی دھبہ تک نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ذکر الخوارج) یعنی اصل اسلام کا ان میں نام و نشان بھی نہ ہوگا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ قرآن کو بہت زیادہ سنوار کر پڑھنے والوں سے مراد باطل پرستوں کی وہ جماعتیں ہیں جو قرآن پر عمل پیرا نہ ہونگی، ورنہ قرآن کو خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ پڑھنا منع نہیں ہے بلکہ احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ قرآن کو عمدگی، خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ پڑھو۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو قرآن کے ظاہری مفہوم کو لے کر احادیث صحیحہ کا بھی انکار کر دیں گے اور قرآن پر بظاہر عمل کرنے کا زبردست دعوای کریں گے لیکن حقیقتاً ان کا عمل قرآن پر نہ ہوگا کیوں کہ قرآن کی ان آیات کی جو وضاحت احادیث نے کی ہوگی اسے وہ تسلیم نہ کریں گے اور اس سے مراد خوارج کی جماعت ہے اور خوارج کے نقش قدم پر چلنے والے تمام فرقے بھی ہیں جو خوارج کی طرح تکفیری ذہن رکھتے ہیں اور اپنے علاوہ تمام ہی مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ جیسے موجودہ دور میں عثمانی فرقہ، مسعودی فرقہ اور دیگر تکفیری فرقے۔

(۵) عن عثمان بن ابی العاص قال: قلت یارسول اللہ اجعلنی امام قومی قال انت امامھم واقتد باضعفھم واتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب الاذان واجابۃ الموذن)

''سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا تو ان کا امام ہے اور ان کے ضعیفوں کی امامت کر اور موذن اس شخص کو مقرر کرنا جو اذان پر اجرت نہ لے۔''

علامہ عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اذان پر اجرت مکروہ ہے۔ اور امام الخطابی فرماتے ہیں اکثر مذاہب کے علماء کے نزدیک اذان پر اجرت لینا مکروہ ہے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی

حرج نہیں اور انہوں نے اس مسئلہ میں رخصت دی ہے اور بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر اجرت کو حرام قرار دیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ حدیث تحریم پر دلالت نہیں کرتی۔ اور کہا گیا یہ کہ مخصوص جگہ کی وجہ سے اذان پر اجرت درست ہے کیوں کہ یہ اذان پر اجرت نہیں بلکہ یہ جگہ کی ملازمت ہے جیسے کمین گاہ میں بیٹھنے والا گروہ ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک قول راجح وہ ہے کہ جس کی طرف اکثر علماء گئے ہیں۔'' (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ۷/۱۰۷)

اسلامی حکومت بیت المال سے مؤذنین کے لئے وظائف مقرر کرسکتی ہے یا مسجد کی صفائی کی خدمت کے عوض ایسے لوگوں کے وظائف مقرر کئے جاسکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ رضا کارانہ طور پر اور ثواب کی نیت سے اذان دیتے رہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے موذنین کے لئے وظائف مقرر کئے تھے۔ امام البیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں قرآن کے عوض نکاح کرنے والی حدیث اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ جس میں ہے کہ بیشک اللہ کی کتاب اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔ اذان کے سلسلے میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے اذان پر چاندی کی بھری ایک تھیلی عنایت فرمائی تھی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۴۲۹۔۴۳۰)

جہاں تک امامت پر اجرت کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں احادیث میں اس پر کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔

(٦) قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی دینی امور پر اجرت کے حرام ہونے پر استدلال کیا گیا ہے:

ولاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون (البقرہ:۴۱)

''اور میری آیات کو تھوری قیمت کے بدلے مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

موصوف آگے لکھتے ہیں: اہل کتاب میں سے کچھ علم والے جو نبی برحق ﷺ پر ایمان لے کر آئے تھے ان کی اس امتیازی صفت کا قرآن میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

خاشعین للہ لایشترون بآیات اللہ ثمنا قلیلا (آل عمران:۱۹۹)

''(وہ لوگ) اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہیں بیچ دیتے۔''
واضح کیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے خوف وخشیت کے حامل علم والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ دینی کام کی اجرت کے طلبگار نہیں ہوا کرتے۔ (دین داری یا دکان داری ص ٦)
الجواب: ان آیات کا دینی امور پر اجرت کے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور موصوف نے اس آیت کو اس کے سیاق وسباق سے جدا کر کے اس سے خودساختہ مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح قرآن کریم میں زبردست تحریف کی کوشش کی ہے۔ اگر قرآن کریم کے سیاق وسباق سے اس آیت کو سمجھا جائے تو اس کا مطلب کچھ اور نکلتا ہے اور قرآن کی اس آیت کی وضاحت خود قرآن کریم کی دوسری آیات کرتی ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔
ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار ولا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم (البقرہ:١٧٤)
''جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں اور اس کے عوض کچھ (دنیوی) مفادات حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کریگا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''
اس آیت کو موصوف نے بھی نقل کیا ہے لیکن پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اس آیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس آیت میں اہل کتاب کے علماء کی یہ خامی بیان کی گئی کہ اللہ کی کتاب میں جو احکامات بیان کئے گئے ہیں وہ انہیں چھپاتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان احکامات کو بیان نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے بجائے وہ اپنی طرف سے من گھڑت قسم کے مسائل بیان کرتے اور اس پر لوگوں سے معاوضہ اور اس کی قیمت وصول کرتے تھے تو ایسے علماء سوء گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے تھے اور قیامت کے دن انہیں سخت عذاب دیا جائے گا۔
دوسری آیت میں اس کی وضاحت اس طرح بیان کی گئی۔
فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون (البقرہ:٧٩)

''ایسے علماء کے لئے ہلاکت ہے جو کتاب (فتوی وغیرہ) تو اپنے ہاتھوں سے اپنی مرضی کے مطابق لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہی اللہ کے ہاں سے (نازل شدہ حکم) ہے۔تا کہ اس سے تھوڑے دام لے سکیں۔ان کے ہاتھ کی تحریر بھی ان کے لئے بربادی کا سامان ہے اوران کی یہ کمائی بھی ان کے لئے ہلاکت کا سبب ہے۔''

اس وضاحت سے واضح ہوا علماء یہود نے اپنے دین میں تحریف کر ڈالی تھی اور جو یہودی عالم بھی چاہتا اپنی طرف سے کوئی من گھڑت فتوی لکھ کر دے دیتا اور پھر اسے تورات کی طرف منسوب کر کے کہتا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے ان فتوؤں میں عوام کی طبیعت اوران کی مرضی کا خیال رکھا جاتا تا کہ وہ خوش ہو کر انہیں زیادہ سے زیادہ اس فتوی کی قیمت ادا کریں۔اسی طرح وہ علماء جرائم کے لحاظ سے بھی اپنے فتوؤں کے منہ مانگے دام وصول کرتے تھے۔ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبینہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون (آل عمران:۱۸۷)

''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا جو کتاب دیئے گئے کہ وہ لوگوں کے سامنے کتاب کو وضاحت سے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔پھر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالا۔کتنی بری ہے وہ قیمت۔''

ولا تشتروا بآیت اللہ ثمنا قلیلا وغیرہ آیات سے بعض لوگوں نے تعلیم القرآن پر اجرت کی عدم جواز پر استدلال کیا ہے لیکن جیسا کہ ان آیات کا سیاق واضح کرتا ہے کہ ان آیات میں ان لوگوں کی نفی ہے کہ جو غلط اور خود ساختہ مسائل بتا کر لوگوں سے مال و دولت حاصل کرتے ہیں اور انہیں صراط مستقیم سے دور کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

وقولہ تعالی (ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا) یقول لا تعتاضوا عن الایمان بآیاتی وتصدیق رسولی بالدنیا و شھواتھا فانھا قلیلۃ فانیۃ کما قال عبداللہ بن المبارک انبانا عبدالرحمن بن زید بن جابر عن ھارون بن یزید قال سئل الحسن یعنی البصری عن قولہ تعالی (ثمنا قلیلا) قال الثمن القلیل الدنیا بحذافیرھا وقال

ابن لہیعۃ حدثنی عطاء بن دینار عن سعید بن جبیر فی قولہ تعالیٰ (ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا) ان آیاتہ کتابہ الذی انزلہ الیہم وان الثمن القلیل الدنیا وشہواتہا، وقال السدی ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا یقول لا تاخذ واطمعا قلیلا ولا تکتموا اسم اللہ فذلک الطمع ہو الثمن، وقال ابو جعفر عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ فی قولہ تعالیٰ (ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا) یقول لا تاخذوا علیہ اجرا قال وہو مکتوب عندہم فی الکتاب الاول: یا ابن آدم علم مجانا کما علمت مجانا، وقیل معنا لا تعتاضوا عن البیان والایضاح ونشر العلم النافع فی الناس بالکتمان واللبس لتستمروا علی ریاستکم فی الدنیا القلیلۃ الحقیرۃ الزائلۃ عن قریب، وفی سنن ابی داؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یرح رائحۃ الجنۃ یوم القیامۃ، فاما تعلیم العلم باجرۃ فان کان قد تعین علیہ فلا یجوز ان یاخذ علیہ اجرۃ ویجوز ان یتناول من بیت المال ما یقوم بہ حالہ وعیالہ فان لم یحصل لہ منہ شی۔ وقطعہ التعلیم عن التکسب فہو کما لم یتعین علیہ واذا لم یتعین علیہ فانہ یجوز ان یاخذ علیہ اجرۃ عند مالک والشافعی واحمد وجمہور العلماء کما فی صحیح البخاری عن ابی سعید فی قصۃ اللدیغ ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ، وقولہ فی قصۃ المخطوبۃ، زوجتکہا بما معک من القرآن، فاما حدیث عبادۃ بن الصامت انہ علم رجلا من اہل الصفۃ شیئا من القرآن فاہدی لہ قوسا فسال عنہ رسول اللہ ﷺ فقال، ان احببت ان تطوق بقوس من نار فاقبلہ، فترکہ رواہ ابو داؤد وروی مثلہ عن ابی بن کعب مرفوعا فان صح اسنادہ فہو محمول عند کثیر من العلماء منہم ابو عمر بن عبد البر علی انہ لما علمہ اللہ لم یجز بعد ہذا ان یعتاض عن ثواب اللہ بذلک القوس فاما اذا کان من اول الامر علی التعلیم بالاجرۃ فانہ یصح کما فی حدیث اللدیغ وحدیث سہل فی المخطوبۃ واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر عربی ۸۳،۸۴/۱)

"میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے، میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگر چہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی، بہت تھوڑی ہے، اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ سنن ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے، اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو

بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تا کہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی وجہ سے کوئی کام دھندا نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب نبی ﷺ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو، ان سب میں زیادہ حق دار کتاب اللہ ہے ۔دوسری مطوّل حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ کر دیتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں ''زوجتکہا بما معک من القرآن'' میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اور تو اسے قرآن حکیم جو تجھے یاد ہے، اسے بطور حق مہر یاد کرا دے۔''

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا، اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ دی اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے۔ چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی ابن کعب سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا، پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر اردو مکتبہ قدوسیہ لاہور (۱/۱۴۲)

سید محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وروی فی ذلک ایضاً احادیث لا تصح وقد صح انہم قالوا یا رسول اللہ انا خذ علی التعلیم اجرا؟ فقال ''ان خیر ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ تعالیٰ'' وقد تظاہرت اقوال العلماء علی جواز ذلک وان نقل عن بعضہم الکراہۃ، ولا دلیل فی الآیۃ علی ما ادعاہ ہذا الذاہب کما لا یخفی والمسالۃ مبینۃ فی الفروع (روح المعانی ۱/۲۵۷ طبع مکتبۃ امدادیۃ ملتان)۔

''اور (تعلیم القرآن پر اجرت کے عدم جواز پر) جو احادیث روایت کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور صحیح

حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، ہم تعلیم القرآن پر اجرت لے سکتے ہیں؟ پس آپ نے فرمایا کہ بہترین اجرت وہ ہے کہ جو کتاب اللہ پر حاصل کی جائے اور علماء کے بے شمار اقوال اس کے جواز پر موجود ہیں اور اگر چہ بعض نے اس کی کراہت نقل کی ہے لیکن اس آیت میں اس کے دعوٰی کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جیسا کہ (اہل علم پر یہ بات) مخفی نہیں ہے اور یہ مسئلہ فروع میں بالکل واضح ہے۔''

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفیؒ آیت ولاتشتروا بایتی کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولاتشتروبایتی (اور نہ لو میری آیتوں کے عوض) یعنی میری آیتوں پر ایمان لانے کے بدلے میں دنیا کا سامان نہ لو یا یہ معنی کہ تورات کی ان آیات کے بدلہ میں کہ جن میں محمد ﷺ کی نعت (تعریف) مذکور ہے دنیا کا سامان نہ لو۔

ثمنا قلیلا (مول تھوڑا) یعنی دنیا کا سامان کیونکہ دنیا کا سامان خواہ کتنا ہی ہو لیکن آخرت کی لذات کے مقابلہ میں وہ بالکل لاشئے اور حقیر ہے۔ شانِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ یہود کے علماء اور رؤساء کو جہلاء اور عوام سے آمدنی بہت ہوتی تھی ان بیچاروں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اور ہر قسم کے مال کھیت، مویشی اور نقد سب چیزوں سے حصہ لیتے تھے اب اسلام پھیلا تو ڈرے کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کی نعت ظاہر کی اور ان کا اتباع اختیار کر لیا تو یہ سب آمدنی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے گی اس لئے انہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور دین چھوڑ بیٹھے اور توراۃ میں آپ ﷺ کی نعت کو بدل دیا اور آپ ﷺ کے اسم مبارک کو محو کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وایای فاتقون (اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو) یعنی ایمان لاؤ اور آخرت کو اختیار کرو۔ پہلی آیت میں چونکہ عوام بنی اسرائیل کو خطاب تھا اس لئے فارھبون فرمایا کیوں کہ رہبت اسی خوف کو بولتے ہیں جو ابتدائے تقوٰی میں ہوتا ہے گویا رہبت تقوٰی کا مقدمہ ہے اور اس آیت میں علماء کو خطاب ہے اس لئے فاتقون لائے کیوں کہ تقوٰی رہبت کے بعد ہوتا ہے اور آخری حالت میں ظہور پاتا ہے۔''

الشیخ عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۸۷ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ان (یہود) سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ وہ تورات پر سختی سے عمل کریں گے، اس کی خوب اشاعت

کریں گے۔اس میں سے کچھ بھی چھپائیں گے نہیں۔لیکن یہود نے یہ کیا کہ اس کے بے شمار احکام کی خلاف ورزی کی جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔اس کی بہت سی آیات کو چھپاتے رہے۔مثلاً ایسی آیات جن میں آپ کی بشارت دی گئی تھی یا رجم سے متعلقہ آیات کو پھر انہوں نے تحریف لفظی بھی کی اور معنوی بھی جیسے دوسروں کا مال بٹورنے کی خاطر لیس فی الامیین سبیل کا مسئلہ گھڑ لیا تھا اور غیر یہود سے سود بھی وصول کر لیتے اور کسی بھی ناجائز طریقہ سے ان کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے۔یا غلط فتوے دے کر پیسے بٹورتے تھے۔(تیسیر القرآن ۱/۱۲۷)

محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۴۱ کے تحت لکھتے ہیں:

''تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو کا مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال ومتاع بھی ان کے مقابلے میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے۔آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے جو بھی ابطالِ حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لئے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا (فتح القدیر) (تفسیر احسن البیان ص ۸۰۳)

اور دوسرے مقام پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۹ کے تحت لکھتے ہیں۔

''یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الٰہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور بہ بانگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں حدیث کی رو سے ''ویل'' جہنم میں ایک وادی ہے جس کی گہرائی اتنی ہے کہ ایک کافر کو اس کی تہہ تک گرنے میں چالیس سال لگیں گے (احمد، ترمذی، ابن حبان والحاکم بحوالہ فتح القدیر) بعض علماء نے اس آیت سے قرآن مجید کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لئے کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔(ایضاً ص ۱۵)

ان آیات کے سیاق وسباق سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ جو علماء سو اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر اور لوگوں کو خودساختہ مسائل بتا کر ان سے مال بٹورتے تھے ان کو ڈرایا گیا کہ وہ اللہ کا خوف کریں

اور اللہ کی آیات پر دنیا کا تھوڑا سا مفاد حاصل نہ کریں۔ البتہ اگر لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دی جائے۔ اور انہیں صحیح مسائل سے آگاہ کیا جائے اور اس محنت کے عوض اگر اجرت لی جائے تو یہ اجرت بالکل درست ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان سب میں اللہ کی کتاب اجرت لینے کی زیادہ حق دار ہے۔'' (بخاری)

اسی طرح نبی ﷺ نے ایک صحابی کو جس نے کسی مجنون پر دم ڈال کر اجرت حاصل کی تھی اسے فرمایا تھا جو باطل رقیہ کے ساتھ کھاتا ہے وہ برا کرتا ہے اور تو نے سچے رقیہ کے ساتھ کھایا ہے۔ (لہٰذا تیرا یہ عمل بالکل درست ہے)

موصوف نے اس آیت میں تحریف کی کوشش کی تھی۔ کتاب اللہ میں تحریف کرنا یہود کا عمل ہے اور ایک وقت آئے گا کہ جب مسلمان یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل پڑیں گے۔ حدیث میں ہے۔ جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ بھی اگلی امتوں کے نقش قدم پر اس طرح چل پڑو گے کہ جیسے بالشت بالشت کے برابر اور گز گز کے برابر ہوتا ہے۔ (تم بھی بالکل ان کی طرح ہو جاؤ گے۔) یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی داخل ہو کر رہو گے، ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اگلے لوگوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اور کون (مراد ہو سکتا ہے؟) یعنی تم لوگ یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل پڑو گے۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، صحیح مسلم کتاب العلم ب ۳ مسند احمد (۲/ ۳۲۷، ۴۵۰، ۵۱۱، ۳/ ۸۴، ۸۹ مستدرک ۱/ ۳۷ مشکوٰۃ المصابیح (۵۳۶۱) فتح الباری ۱۳/ ۳۰۰)

عثمانی فرقہ کو سوچنا چاہیے کہ وہ قرآن وحدیث میں تحریف کر کے کن لوگوں کی راہ پر چل پڑے ہیں۔

(۷) قرآن کریم کی بعض ایسی آیات سے بھی دینی امور پر اجرت کو حرام قرار دینے کی کوشش

کی گئی ہے کہ جس میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''وما اسالکم علیہ من اجران اجری الا علی رب العالمین (الشعراء)

''اور میں تم سے اس (دعوت و تبلیغ) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔''

قل لا اسالکم علیہ اجراان ہوالا ذکری للعالمین (الانعام:۹۱)

''(اے نبی ﷺ کہہ دو کہ میں تم سے اس (قرآن کے پہچانے) پر اجرت نہیں مانگتا یہ (قرآن) تو تمام عالم کے لئے نصیحت ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کو دعوت و تبلیغ کے جس مشن پر متعین فرمایا تھا اس پر وہ لوگوں سے اجرت طلب نہیں کیا کرتے تھے۔ دراصل کفار و مشرکین کو دین کی دعوت دینا انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض عین تھا۔ اس لئے وہ اس دعوت و تبلیغ پر اجرت نہیں لیتے تھے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

واستدل بالآیۃ علی انہ یحل اخذ الاجر للتعلیم وتبلیغ الاحکام وفیہ کلام للفقہاء علی طولہ مشہور غنی من البیان (روح المعانی ۴/۲۱۸)

''اور اس آیت سے تعلیم اور تبلیغ احکام پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا طویل کلام مشہور ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔''

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی صاحب اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔:

''قل لا اسالکم علیہ اجرا سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم اور تبلیغِ احکام پر اجرت لینی جائز ہے اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آدمی کا قصہ مروی ہے جسے سانپ نے ڈس لیا تھا اور جس پر ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکا تو اسکا زہر اتر گیا تھا، اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا کہ اس آدمی کے قبیلہ والوں نے صحابہ کرام کو بکریاں دی ہیں تو آپ نے فرمایا: ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ اصبتم اقسموا، واضربو

لی معکم سہما'' کہ سب سے اچھا کام جس پر تم اجرت لو اللہ کی کتاب ہے تم نے اچھا کیا، حصہ لگاؤ (آپس میں تقسیم کرلو) اور میرا حصہ بھی رکھو۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول عام ہے جو تعلیم قرآن، تلاوت قرآن، حسب طلب قرآن پڑھ کر دم کرنے اور اس ہدیہ کو شامل ہے جو قاری قرآن کو اس لئے دیا جائے کہ وہ قاری ہے۔'' (تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ۱/۴۱۷)

انبیاء کرام علیہم السلام کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی ہدایت و رہنمائی کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا تھا اور دعوت و تبلیغ ان کے فرائض میں شامل تھی اس لئے ان کے لئے دعوت و تبلیغ پر اجرت حرام تھی اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، اس میں کوئی ان کا وارث نہیں ہوتا، بلکہ وہ مال صدقہ ہوتا ہے، جناب ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لانورث ماترکنا صدقۃ (بخاری کتاب فرض الخمس باب فرض الخمس ۳۰۹۳_۳۷۱۲_۴۰۳۶_۴۲۴۱ _ ۶۷۲۶) مسلم کتاب الجہاد باب ۱۵، ابو داؤد (۲۹۶۳،۲۹۶۸، ۲۹۶۹) نسائی (۷/۱۳۲) ترمذی (۱۶۰۸،۱۶۱۰) ، مسند احمد (۱/۴،۶،۹،۱۰،۴۷،۶۰،۲۰۸) السنن الکبریٰ للبیہقی (۶/۲۹۹،۳۰۰،۳۰۱،۳۰۲)

''ہمارا (انبیاء کرام علیہم السلام کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔

اس حدیث نے واضح کردیا کہ انبیاء کرام کا دنیا میں آنے کا مقصد مال اکٹھا کرنا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ وہ نہ تو دعوت و تبلیغ پر مال طلب کرتے ہیں اور اگر وہ انتقال کے بعد کچھ میراث چھوڑ جائیں تو ان کا وہ مال صدقہ ہوتا ہے، کیوں کہ انبیاء کرام کے مال میں میراث کا سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ دونوں باتیں انبیاء کرام کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ یعنی دعوت و تبلیغ پر اجرت کا طلب نہ کرنا اور وفات کے بعد ان کا مال کا صدقہ قرار پانا۔ آج بھی اگر کوئی شخص کفار و مشرکین کو اسلام کی طرف دعوت دے تو اس کے لئے اس کام پر کفار سے اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سنت انبیاء کرام کا تقاضہ یہی ہے البتہ اگر کوئی اسلامی حکومت اس سلسلے میں اپنے دعاۃ دعوت و تبلیغ کے لئے مقرر کرے اور ان کے وظائف مقرر کرے تو یہ دوسری صورت ہے اور قرآنی آیات کا

اطلاق اس صورت پر نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں تک قرآن کریم کی تعلیم اور دم وغیرہ پر اجرت کا معاملہ ہے تو اس کی وضاحت کردی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے دلائل بھی ذکر کردیئے گئے ہیں اور اس سلسلے میں نبی ﷺ کا یہ واضح فرمان موجود ہے: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب اجرت کی زیادہ مستحق ہے۔''

خلاصہ کلام

دینی امور پر اجرت کے جواز کے سلسلہ میں جمہور علماء کرام کا موقف یہی ہے کہ دینی امور بالخصوص، دم، تعلیم القرآن والحدیث وغیرہ پر اجرت لی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی جواز کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً قرآن کریم کے نسخوں، احادیث رسول ﷺ کی کتب، تفاسیر اور دیگر دینی کتب وغیرہ کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ اسی طرح مساجد اور دینی مدارس کی تعمیر پر معاوضہ لینا، امامت پر بھی اجرت کا جواز ہے کیوں کہ اس کی کوئی ممانعت احادیث میں موجود نہیں ہے۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو اپنی قوم کے امام تھے اور قوم کے لوگوں نے ان کو پہننے کے کپڑے خرید کردیئے تھے اور جس پر عمرو بن سلمۃ خوش بھی ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی ضروریات وغیرہ پوری کرنا جائز ہے اسی طرح موذن کو بھی وظیفہ دیا جاسکتا ہے جس طرح نبی ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان دینے پر چاندی کی بھری ہوئی ایک تھیلی عنایت کی تھی۔ البتہ موذن کو اذان پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز امام اور موذن اگر اپنے فرائض للہ فی اللہ ادا کریں تو یہ انتہائی مستحسن کام ہے۔ مجاہدین کو جہاد میں جو مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوتا ہے اس میں بیت المال کے لئے خمس نکال کر باقی مال مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا ہے علاوہ ازیں اسلامی حکومت مجاہدین کے لئے بیت المال سے وظائف بھی مقرر کرے۔ جیسا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کے وظائف مقرر کیئے تھے۔ کفار ومشرکین کو جو اسلام کی طرف مائل ہوں انہیں بھی وظائف دیئے جائیں اور ان لوگوں کو بھی جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں تاکہ اس احسان سے وہ اسلام کے سچے خیر خواہ بن جائیں ایسے لوگوں کو مولفۃ القلوب کہا جاتا ہے اور ان کا باقاعدہ حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح زکوۃ جو ایک فرضی عبادت ہے اس کی وصولی پر جو عامل مقرر کیئے جائیں ان کی تنخواہ بھی اسلامی حکومت ادا کرے گی۔ معلمین، طالب

علموں اور دین کے کاموں میں مصروف رہنے والوں کے لئے بھی بیت المال وظائف مقرر کرے گا۔

دینی امور کو انجام دینے والوں کے لئے ہدایات

دینی علوم کے لئے اخلاص کے ساتھ خدمات انجام دینے والے علمائے کرام کا مقام معاشرے میں عام لوگوں سے بہت بلند ہوتا ہے اور ان علماء کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (الفاطر:۲۸)

''بلاشبہ اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرتے وہی ہیں جو علم رکھنے والے (علماء) ہیں۔''

اور حدیث میں ہے:

العلماء ورثۃ الانبیاء (ترمذی)

''علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔'' علماء چونکہ دین کی باریکیوں اور اس کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور دین کے ان امور پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے کہ جسے عام لوگ نہیں جانتے۔لہٰذا اس اعلیٰ وارفع مقام کا تقاضا ہے کہ علماء دین کا کام کرتے وقت انتہائی احتیاط سے کام لیں اور امانت، صداقت، راست گوئی، ایفائے عہد وغیرہ جیسی اعلیٰ صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ کیوں کہ جہاں اس کام کا صلہ آخرت میں انتہائی عظیم ہے۔وہاں اسکی سزا بھی انتہائی سخت اور درد ناک ہے۔لہٰذا دینی امور کو انجام دیتے وقت مندرجہ ذیل امور کو ضرور مدنظر رکھیں۔

(۱) دینی خدمات کو صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے ادا کرتے رہیں۔

(۲) دینی خدمات کے دوران انہیں اخراجات کے لئے جو معمولی وظیفہ ملے اسی میں وہ اپنی گزر بسر کریں اور زیادہ کا لالچ نہ کریں اور نہ مال و دولت جمع کرنے کی نیت رکھیں۔ کیوں کہ مال و دولت کی محبت اور اسے جمع کرنے کی ہوس آخرت کے لئے سم قاتل ہے۔جس سے پرہیز انتہائی ضروری ہے۔

(۳) انسانوں میں بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو علمائے کرام اور دینی امور سے وابستہ لوگوں کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔لیکن علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے نا خلف لوگوں کی اذیت و تکالیف کا سامنا انتہائی اعلیٰ ظرفی سے کریں اور اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں۔

(۴) جومولوی حضرات اللہ کا خوف دل سے نکال کرنا جائز طریقہ سے مال و دولت اکھٹی کرر ہے ہیں اور لوگوں کو دین کے نام پر بے وقوف بنا کر لوٹ رہے ہیں مثلاً میت کی مختلف رسومات ، تیجا، دسواں، چالیسواں، برسی ،قرآن خوانی، گیارہویں، کونڈے،قبروں کے چڑھاوے، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز وغیرہ کے نام سے انہیں لوٹ رہے ہیں، اسی طرح قرآن خوانی کی بھی مختلف صورتیں ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ فیس مقرر ہے۔ بعض حضرات پیر گدی نشین، عامل اور مجاہدین بن کر لوگوں کو دین کے نام سے دھوکا دیتے ہیں اور اس طرح ان کے مال لوٹنے کے علاوہ ان کی خواتین کی عزتوں سے بھی کھیلتے ہیں۔ ایسے ہی مولوی اور پیروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایہا الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ (التوبۃ: ۳۴)

”اے ایمان والو: (یہودیوں کے) اکثر عالم اور درویش لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔“

یہودیوں کے علماء اور درویشوں (پیروں) کی طرح آج امت مسلمہ کے مولوی اور پیر بھی لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں اور ان کے دین و ایمان کو بھی تباہ و برباد کرر ہے ہیں۔ عوام الناس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مولویوں اور پیروں کو پہچانیں اور ان سے دور رہیں ورنہ یہ لوگ مال و دولت بھی ان سے بٹوریں گے اور ان کی آخرت بھی تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ ابو جابر عبداللہ دامانوی

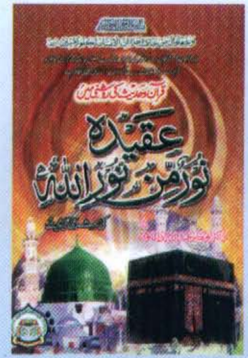

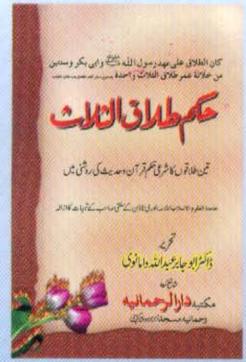

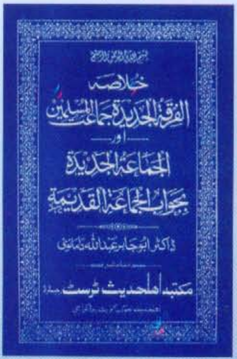

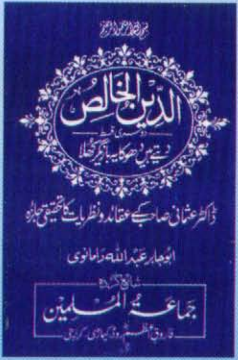

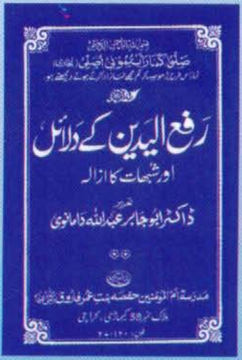

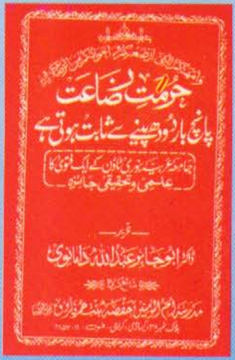

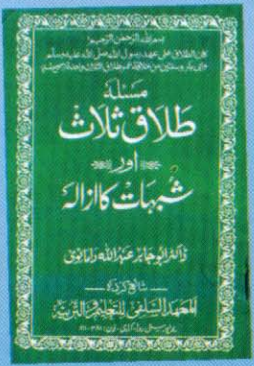

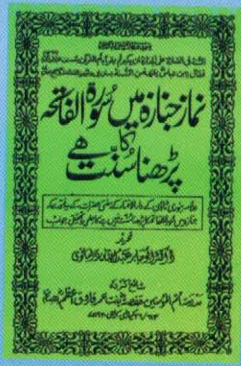

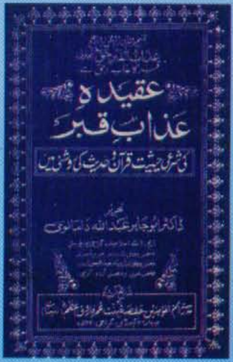

شائع کردہ

مکتبہ دار الرحمانیہ جامع مسجد رحمانیہ

نزد بوہرہ پیر کراچی

Al-Aziz Grafix